صوفیہ نوربخشیہ مکتبہ فکر والوں
کے لئے ضروری ضروری احکام
اور مسائل پر مشتمل کتابچہ مسمّیٰ

نوائے صوفیہ

قسط ع ۲

زیر نگرانی:

ابوالعرفان محمد بشیر براہ والے

نشر و اشاعت:

انجمن محمدیہ بلتستانیہ (رجسٹرڈ) اسلام آباد

صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر والوں
کے لئے ضروری ضروری احکام
اور مسائل پر مشتمل کتابچہ مسمّیٰ

نوائے صوفیہ

قسط ۲

زیر نگرانی:

ابوالعرفان محمد بشیر براہ والے

نشر و اشاعت:

انجمن محمدیہ بلتستانیہ (رجسٹرڈ) اسلام آباد

نام پمفلٹ : نوائے صوفیہ قسط نمبر ۲
نگران : ابوالعرفان محمد بشیر براہ والے
ناشر : انجمن محمدیہ صوفیہ نوربخشیہ (رجسٹرڈ) اسلام آباد
مطبع :
کتابت : مردِ کہستانی
تقطیع :
تاریخ اشاعت : یکم مئی ۱۹۸۵ء
تعداد : ایک ہزار
ہدیہ : چھ روپے -/۶
محصول ڈاک : ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

خط وکتابت کا پتہ :
ابوالعرفان محمد بشیر فاضل عربی براہ والے
خطیب جامع مسجد صوفیہ نوربخشیہ
سیکٹر جی۔سیون/فور G-7/4 اسلام آباد

نوائے صوفیہ

مولانا النور الکورری
فاضل عربی - گلگت

لوائے صوفیہ اہل فنا فی اللہ کا ارماں
لوائے صوفیہ اہل بقا باللہ کا پیماں
لوائے صوفیہ اہلِ صفا و صدق کا فرماں
لوائے صوفیہ دردِ درونِ دہر کا درماں

لوائے صوفیہ اہلِ یقیں کا مایۂ ایقاں
لوائے صوفیہ عشاقِ دیں کے عشق کی پہچاں
لوائے صوفیہ تسکین قلب و روح کا ساماں
لوائے صوفیہ تزئینِ طاقِ خانۂ ایماں

لوائے صوفیہ سے امر بالمعروف بھی آساں
لوائے صوفیہ سے عشق کی تعلیم بھی ارزاں
لوائے صوفیہ شاہِ قہستاں کا نگارستاں
لوائے صوفیہ ثمرِ مرادِ خواجۂ ہمداں

لوائے صوفیہ ہے حاصلِ سعی البو العرفاں
ہے الورؔ صوفیوں پر خالقِ کونین کا احساں

معنوی انحطاط: اس دنیائے دوں میں لوگ اپنی اپنی محنت کا پھل کھاتے ہیں۔ ذاتی محنت اور کسب حلال کا طریقہ ہر جگہ نہایت مستحسن اور مؤمنانہ معاشی اقدام ہے۔ دائرۂ اسلام میں رہنے والوں کے لیئے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ فرمان نبوی ہے۔ طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ ٥ یعنی رزق حلال کی تلاش ہر مسلمان مرد اور عورت کے ذمہ پر لازمی ڈیوٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس باعظمت پیشے کو اختیار کر کے خود بھی حلال خوری کے ساتھ متصف رہتے ہیں اور اہل وعیال کو بھی رزق حلال کھلاتے ہیں۔ ایسے لوگ جملہ خیراتی کاموں میں مال حلال صرف کر کے اخروی کامیابی کا سامان بھی اپنے لیئے تیار کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف کچھ عناصر ایسے بھی ہوتے ہیں جو طلب الحلال کی طرف سے ہر وقت گریزاں رہتے ہیں۔ اپنے معاشی مسائل کے حل کے لئے یا تو خون آشام ڈاکو بن جاتے ہیں یا رات کی تاریکی میں چوری کا پیشہ اپناتے ہیں یا جعلی پیروں کے بھیس میں عوام کو بری طرح سے لوٹ لیتے ہیں۔ وہ اپنے مادی فوائد کے حصول کے لئے ہر وہ طریقہ آزما لیتے ہیں جو اُن کے بس میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات اُن کے سیاہ کرتوں سے باعصمت طبقہ بُری طرح متاثر ہوتا ہے۔ ایسے نام نہاد پیروں کی مذہبی غنڈہ گردی دراصل اہل اسلام کے معنوی انحطاط کا سبب بنتی ہے۔ ایسے عناصر عیاش طبع اور حد درجے کے لالچی ہوتے ہیں۔ مُفت خوری کی عادت اُن کے وجود کا جزو لاینفک بن جاتی ہے۔ وہ مختلف اصطلاحیں ایجاد کر کے عوام کی عرق ریزی کے نتائج پر معاشی غنڈہ گردی آزماتے رہتے ہیں۔ ایسے عناصر کبھی مذہب کی سوداگری بھی اختیار کرتے

میں نمایاں تفاوت کا وجدان شاذ و نادر اور فقط امکان کے ماتحت
ہوتا ہے۔ معاشرتی ہیئت کذائی بھی ہر ہر قوم کی جدا جدا ہوتی ہے۔
رنگ و نسل کا امتیاز بھی ان میں پایا جاتا ہے۔ بعض قومیں نقطۂ رنگ
و نسل کے اعتبار سے خود کو دوسری قوموں سے برتر سمجھتی ہیں اور
رنگ و نسل ہی کے چکر میں آکر بعض اقوام کے ساتھ امتیازی سلوک
روا رکھا جاتا ہے۔ معاشرے میں ان کا مقام نہایت پست سمجھا جاتا ہے۔
یہ سب اس عالم آب و گل کی مادی زندگی کے نشیب و فراز کہلائے جا
سکتے ہیں۔ قرآنی اعلان "وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ"
یعنی دنیاوی زندگی تو صرف دھوکہ دہی کا سامان ہے، کا مصداق بھی
ایسے قابل مذمت معاشرتی نشیب و فراز وغیرہ ہے۔ گویا خلاق کائنات
کے نزدیک کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کا حقیقی مصداق مذکورہ قابلِ
مذمت معاشرتی نشیب و فراز کے ذمہ دار افراد کو ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

ترکیبِ خاص :

انسانی دائرہ جتنی ملتوں کو محیط ہے وہ سب اپنی اپنی جگہ ایک ایک عالمگیر
تحریک سمجھی جاتی ہے۔ عیسائی ملت اپنی جگہ ایک عالمگیر تحریک سمجھی
جاتی ہے۔ یہودی ملت بھی خود کو ایک عالم گیر تحریک سمجھتی ہے۔ لادینی
نظریہ بھی اپنی جگہ ایک عالم گیر تحریک سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح سے اسلام
جو اللہ پاک کے ہاں قابل قبول دین کا نام ہے ایک جامع عالم گیر تحریک
ہے۔ رب العالمین کے حکم کے تحت محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
سب سے پہلے اسلام کی تحریک چلائی۔ فرمان الٰہی "تَبٰرَکَ
الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا"
سے اسلام کا عالم گیر تحریک ہونا پوری طرح واضح ہے۔ جملہ غیر اسلامی

ملتوں کے مقابلے میں اسلام کو ایک ممتاز اور منفرد مقام حاصل ہے۔
دکھی انسانیت کے لئے اسلام کے دائرے میں ایک پاکیزہ معاشرے کی صورت میں دائمی آرام وراحت کا سامان موجود ہے۔ دائرۂ اسلام کے اندر موجود مسلمانان عالم ایک ایسے معنوی رشتے میں منسلک ہیں کہ وہ اپنی ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے دیگر اقوام خاص کر اقوام مغرب کی اسلام دشمن سرگرمیوں کے آگے ایک مکمل اور تندرست جسم کا درجہ رکھتے ہیں۔ شیطانی فریب میں آکر اگر کوئی مسلمان غیر اسلامی معاشرتی نظام سے رشتہ جوڑنے کی ٹھان لے تو یہ سب سے بڑی گمراہی ہے۔ ایمان واسلام کی دولت سے مالامال ہونے کی بنا پر اہل ایمان کو اپنی ہی پاک ملت پہ نازاں رہنا چاہیئے۔ حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال بھی اسی کی تاکید فرما گئے ہیں ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ﷺ ہاشمی

اس ترکیب خاص کا تقاضا ہے کہ ہر ایک مسلمان حکم الٰہی "وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ" (القرآن ج ۸ س انعام)

ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی۔

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ پاک نے اسلامی معاشرے کے ہر ہر فرد کو ترکیب خاص قوم رسول ﷺ ہاشمی کا فرد کامل بننے کے لئے ایک جامع گر بتلا دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حکم الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے ہر مؤمن ومسلمان اپنے وجود کو اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف رکھنے کی سعی کرے۔ وہ خلوت اور جلوت دونوں حالتوں میں پاک باز رہے۔ وہ کوئی ایسا کام بھی نہ کرے جس کی بنا پر اُسے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا

جا سکے۔ وہ کوئی ایسا کام بھی نہ کرے جس کی بنا پر اس دُنیا میں وُہ کسی قسم کی گرفت سے بچ نکلے مگر بروزِ قیامت اولین اور آخرین کے جمِ غفیر میں اُس کی دُنیوی رنگ رلیاں ایک سیاہ اعمال نامے کی شکل میں اُس کے بائیں ہاتھ میں تھما دی جاوے۔ گویا جو کوئی بھی جلوت میں کچھ کرے اور خلوت میں کچھ تو ایسا فرد اخروی رسوائی سے بچ نہیں سکے گا، خواہ وہ کوئی عام بازاری شخص ہو یا اس کا شمار اہل تبلیغ میں ہوتا ہو۔ ہاں اُس کا شمار آخر الذکر میں ہوتا ہو تو ایسا فرد واقعی دردناک عذاب کا حق دار ٹھہرے گا۔ عین ممکن ہے کہ اُسے شدید ترین عذاب چکھنا پڑے۔ ایسے افراد کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند
چُوں بہ خلوت مے روند آں کار دیگر مے کنند

جب یہ قابلِ مذمت صورتحال غیر معمولی عرصے تک جاری رہے تو ایسا کرنے والا کسی نہ کسی دن پاکیزہ اسلامی معاشرے پر ایک بدنما دھبہ ثابت ہوتا ہے۔ اُس کی بے راہ روی کسی بھی وقت اُسے لے ڈوبتی ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم کسی بھی مرحلے میں لوگوں کی طعنہ زنی اور یاوہ گوئی کا نشانہ بننے سے بچ جائیں۔ اسی وجہ سے قدرت نے ہم کو لمحۂ فکریہ عطا کیا ہے اور کلامِ پاک میں "لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ" اور "لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ" فرما کر حقیقی تفکر اور حقیقی تذکر اپنانے کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ تاکہ ہر مؤمن و مسلمان پاکیزہ اسلامی معاشرے کا نیکوکار فرد گنا جا سکے۔

معنوی انحطاط: اس دنیائے دوں میں لوگ اپنی اپنی محنت کا پھل کھاتے ہیں۔ ذاتی محنت اور کسبِ حلال کا طریقہ ہر جگہ نہایت مستحسن اور مومنانہ معاشی اقدام ہے۔ دائرۂ اسلام میں رہنے والوں کے لیئے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ فرمان نبوی ہے۔ طَلَبُ الحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ ۞ یعنی رزقِ حلال کی تلاش ہر مسلمان مرد اور عورت کے ذمہ پر لازمی ڈیوٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس باعظمت پیشے کو اختیار کر کے خود بھی حلال خوری کے ساتھ متصف رہتے ہیں اور اہل وعیال کو بھی رزقِ حلال کھلاتے ہیں۔ ایسے لوگ جملہ خیراتی کاموں میں مالِ حلال صرف کر کے اخروی کامیابی کا سامان بھی اپنے لئے تیار کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف کچھ عناصر ایسے بھی ہوتے ہیں جو طلب الحلال کی طرف سے ہر وقت گریزاں رہتے ہیں۔ اپنے معاشی مسائل کے حل کے لئے یا تو خون آشام ڈاکو بن جاتے ہیں یا رات کی تاریکی میں چوری کا پیشہ اپناتے ہیں یا جعلی پیروں کے بھیس میں عوام کو بری طرح سے لوٹ لیتے ہیں۔ وہ اپنے مادی فوائد کے حصول کے لئے ہر وہ طریقہ آزما لیتے ہیں جو اُن کے بس میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات اُن کے سیاہ کرتوں سے باعصمت طبقہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ ایسے نام نہاد پیروں کی مذہبی غنڈہ گردی دراصل اہلِ اسلام کے معنوی انحطاط کا سبب بنتی ہے۔ ایسے عناصر عیاشِ طبع اور حد درجے کے لالچی ہوتے ہیں۔ مفت خوری کی عادت اُن کے وجود کا جزو لاینفک بن جاتی ہے۔ وہ مختلف اصطلاحیں ایجاد کر کے عوام کی عرق ریزی کے نتائج پر معاشی غنڈہ گردی آزماتے رہتے ہیں۔ ایسے عناصر کبھی مذہب کی سوداگری بھی اختیار کرتے

ہیں - الغرض اُن کی للچائی ہوئی نظریں کسی بھی مادی فائدے کی حد پر مطمئن نہیں ہوتیں - قناعت سے ان کو عداوت ہوتی ہے - قناعت دُشمن نظریے کی وجہ سے وہ ہر وقت بوالعجب بہروپیے بن کے پھرتے ہیں اور بہروپیے بننا ہی اُن کی پہچان کی علامت بن جاتی ہے

بعض اوقات ایسے عناصر مذہبی چوہدری بھی بن جاتے ہیں - اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عملی زندگی یکسر مفقود نظر آتی ہے - کیونکہ وہ خود بے عمل ہوتے ہیں، لہٰذا اُن کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی بے عملی کا مظاہرہ کرنے لگ جاتے ہیں - اس کا ایک تباہ کُن نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ بے عملی کا رجحان عوام کی نگاہوں کو خوب بھانے لگ جاتا ہے - رفتہ رفتہ شریعتِ محمدیہ میں بدعات کی آمیزش پروان چڑھتی ہے - پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ اُن بدعات کے خلاف آواز اٹھا کر شریعتِ محمدیہ کی صحیح تبلیغ کرنا جرم سمجھا جاتا ہے - ایسے میں عام مسلمانانِ عالم کو عموماً اور اہلِ صوفیہ نوربخشیہ کو خصوصاً معنوی انحطاط اور رُوحانی تباہی و بربادی کا سامنا نہ ہو تو اور کیا ہو - ہمیں عقلِ سلیم کے تقاضوں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے - مذہبی اعمال کی بجاآوری پر مادہ پرستوں کی ذہنی پیداوار کو کسی بھی حالت میں اثر انداز ہونے کا موقع نہیں دینا چاہیئے - فرمانِ الٰہی " اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ " ہم کو دعوتِ استعمالِ عقل و دانش دے رہا ہے - صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر والو! سلسلۂ ذہب کو پوری طرح مضبوطی سے تھام لو، مضبوطی سے تھام لو، مضبوطی سے تھام لو -

ہمارے پاس بس یہی ایک فریاد باقی رہ گئی ہے کہ ؎

تن ہمہ داغ داغ شُد
پنبہ کجا کجا نہم

دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں حقیقی معنوں میں صوفیانہ اسلامی معاشرے
کے باعمل افراد بن کر عملی زندگی گزارنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

★

مجموعۂ شریعتِ محمدیہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

ابو العرفان

عنوان بالا کے تحت فقہ الاحوط کے احکام قسط وار "نوائے صوفیہ" میں شائع کئے جائیں گے۔ "نوائے صوفیہ" کی پہلی قسط میں الفقہ الاحوط کے افتتاحی کلمات کے بارے میں ضروری تفصیل قارئین کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے۔ "نوائے صوفیہ" قسط ۲ میں اسی سلسلے کے تحت فقہ احوط سے اس کے پہلے باب یعنی "بابُ الطہارۃ" کی تفصیل اور توضیح وغیرہ پر مشتمل مضمون نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔ فقہی کتابوں میں جملہ احکامِ شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔ احکامِ شرعیہ میں طہارت کے بیان کو اولیت حاصل ہے۔ جملہ بدنی عبادات کی درست بجا آوری کے لئے طہارت بنیادی شرط ہے۔ لہٰذا طہارت کے احکام سے پوری طرح آگاہ رہنا ہر ایک فرد صوفی نوربخشی کے لئے نہایت ضروری ہے۔

بابُ الطَّهارَۃ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ۝ قَدَّمَ التَّوْبَةَ عَلَی التَّطَهُّرِ لِاَنَّهَا طَهَارَةٌ بَاطِنَةٌ حَقِیْقِیَّةٌ وَهٰذِهٖ طَهَارَةٌ ظَاهِرَةٌ مَجَازِیَّةٌ فَعَبَّرَ بِالتَّطَهُّرِ عَنْهَا ۝ وَقَالَ اَیْضًا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ ۝

وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ
أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا
مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ
مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ
وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ٥

طہارت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ توبہ گزاروں سے پیار کرتا ہے اور وہ پاک رہنے والوں سے (بھی) پیار کرتا ہے۔

اللہ پاک نے توبہ کو باطہارت رہنے پر مقدم رکھا کیونکہ توبہ حقیقی اور اندرونی پاکی کا نام ہے اور یہ باطہارت رہنا مجازی اور ظاہری پاکی کا نام ہے لہٰذا لفظِ تطہر سے اس کی تعبیر کی گئی۔

نیز ارشادِ ربانی ہے۔

ایمان والو! جب تم نماز (قائم کرنے کے ارادے سے) اُٹھ کھڑے ہوں تو پہلے اپنے چہروں کو اور کہنیوں سمیت ہاتھوں کو دھو ڈالو۔ نیز اپنے سروں کا اور دونوں ٹخنوں سمیت (پاک ہونے کی صورت میں) اپنے پیروں کا مسح کرو۔ اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو خوب پاکی حاصل کرو (غسل کرو) اگر تم بیمار ہو یا حالتِ سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کرکے آئے یا تم اپنی عورتوں سے جنسی رابطہ قائم کر چکو پھر تم پانی نہ پاسکو تو پاک مٹی سے تیمم کرو اور اُس پاک مٹی سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

اللہ تم پر کوئی حرج عائد کرنا نہیں چاہتا ہے بلکہ وہ تم کو پاک کرنا اور تم پر اپنی نعمت پوری کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر گزار بن جاؤ۔

وضاحت و مطلب

مجموعہ شریعت محمدیہ الفقہ الاحوط کے باب الطہارت کے ذیل میں کچھ فقہی عبارات سمیت قرآنی آیات مبارکہ کا ترجمہ قارئین کی نظروں سے گزرا۔ ان عبارات اور آیات مبارکہ میں نماز کی درست بجاآوری کے لئے بطورِ شرطِ جواز وجوباً بجالائی جانے طہارت کا اجمالی بیان ہوا ہے۔

طہارت کی پہلی تقسیم:

آیۃ مبارکہ " اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ ۝ " میں رب العالمین نے دو قسم کی طہارتوں سے متصف رہنے والوں کے ساتھ اپنے پیار اور چاہت کا اعلان فرمایا ہے۔

طہارت کی پہلی قسم کا نام طہارت باطنہ ہے۔ اس طہارت باطنہ کا مصداق توبہ ہے۔ توبہ نامی اس طہارت کے ساتھ جو جو فردِ مؤمن متصف ہوگا وہ تائب اور توّاب کہلائے گا۔

توبہ ہفت اقسامِ صرفی کے لحاظ سے اجوف وادی ہے۔ اس کا معنی کسی کی طرف رجوع کرنے کے ہے۔ گویا جو شخص صدقِ دل سے توبہ گزاروں میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ٹھہرتا ہے۔ حقیقی توبہ جسے توبۂ نصوح کہتے ہیں، اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے تو آدمی کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ حکم خداوندی کا تقاضا اور تاکیدی پہلو خوب

ج: ایسی صورت حال کی وجہ سے ہی صوفیہ نوربخشیہ کا وجود معنوی عدم سے ہمکنار ہوا ہے۔ آپ خوب غور کریں۔ جواب آپ کے ذہن میں خود بخود آجائے گا۔

نوٹ: بعض احباب کے سوالات ہمارے پاس محفوظ ہیں نوائے صوفیہ قسط نمبر ۳ میں ان شاء اللہ ان کے جوابات دیئے جائیں گے۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابوالعرفان
اسلام آباد ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۸۵ء

کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ فرمانِ الٰہی "وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ
اَجَلُهَا" یعنی اللہ کسی نفس کو بھی ڈھیل نہیں دیتا جبکہ اس کا (وقتِ
اجل آپہنچے۔ ایسا شخص رنگین اقدامات اور میلانات میں ایک غیر معمولی
مدت گزارنے کے بعد محض ایک رسمی توبہ گزار کا رُوپ دھار لیتا ہے ؏

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

ظہورِ آثار:۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جب کوئی زمین اچھی
قسم کی ہو اُس میں سبزہ اچھی حالت میں اُگتا ہے۔ وہ
جنگلات پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس ہمہ وقت شادابی
سے کسی بھی مملکت کے حُسن میں مزید نکھار آجاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر
کوئی زمین سیم اور تھور والی ہو وہ نہ سبزہ اُگا سکتی ہے اور نہ عمدہ فصل
دے سکتی بلکہ بے وقعت گھاس ہی کو اُس کی سطح ترستی ہے۔ وہ کسی
بھی مملکت کے حُسن میں بگاڑ پیدا کرتی ہے۔ ٹھیک اسی کی مثال گفتار و کردار
کے لحاظ سے انسان کا وجودِ خارجی ہے۔ جب انسان کی اندرونی حالت
درست ہو اور پاک ہو تو اس کے وجودِ خارجی سے جو جو حرکت یا جو جو فعل
یا جو جو کارکردگی ہوگی اس سے اس کا نیک چلن ہونا ہر ایک معلوم کر سکے
گا۔ گویا انسان کی اندرونی حالت کی صحیح ترجمانی اس کی ظاہری حالت
کر سکتی ہے۔ اگر اندرونی حالت درست نہ ہو تو ظاہری حالت اکثر اوقات
اس کی صحیح ترجمانی نہیں کر سکتی۔ مثلاً اگر کوئی نفاق کی بیماری میں
مبتلا ہو تو اس کا ظاہر یقینی طور پر اُس کے باطن کا ترجمان نہیں ہوگا۔
بلکہ اس کا باطن کچھ اور ظاہر کچھ اور ہوگا۔ پس توبۂ حقیقی کے نتیجے میں
آدمی کے وجودِ خارجی کا پنہاں حصہ پاک و پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا دوسرا
حصہ اس کے ظاہر سے برآمد ہوتا ہے۔ اس کی پہلی خصلت میں فوراً تبدیلی

آجاتی ہے۔ بدکاروں کے ساتھ اُس کی ہمنشینی ختم ہوجاتی ہے اور وہ نیکوکاروں کی ہم نشینی سے خوب بہرہ مند ہوجاتا ہے۔ حقیقی توبہ گزاروں کے زمرے میں داخل ہونے کی وجہ سے وہ "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ" کی رُو سے خدا کا ایک پیارا بندہ گنا جاسکتا ہے اور "فَسَابِقُوْا فِي الْجَنَّةِ" میں شمولیت کا شرف حاصل ہونے پر اُخروی کامیابی اُس کے قدم چومتی ہے۔

توبہ سے متعلق مزید تفصیلات **باب الاعتکاف** کے ضمن میں قارئین نوائے صوفیہ کی نظروں سے انشاء اللہ گزریں گی۔

طہارت کی پہلی تقسیم کی رُو سے اُس کی پہلی قسم کا نام طہارتِ باطنہ تھا۔ توبہ اُس کی معنوی صورت تھی۔

طہارت کی دوسری قسم کا نام طہارتِ ظاہرہ ہے۔ اس کا نام طہارتِ ظاہرہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ طہارت بدنِ انسانی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی بجا آوری آدمی کے اپنے بدن پر ایک مخصوص ہیئت کے ساتھ کی جاتی ہے۔

طہارت کی دُوسری تقسیم:-

طہارت کی اس دوسری تقسیم میں طہارت کی پہلی تقسیم کی دوسری قسم کے بٹوارے کا بیان ہوتا ہے۔ آیۂ مبارکہ "فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ" میں طہارتِ ظاہرہ کی پہلی قسم کا بیان کیا گیا ہے۔ اس پہلی قسم کا نام طہارتِ صُغریٰ ہے۔ طہارتِ صُغریٰ کا مصداق وضو ہے۔ آیۂ مبارکہ کی عبارت النص سے وضو کے چار واجب احکام کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ مُنہ کا دھونا۔

۲۔ کہنیوں سمیت ہاتھوں کا دھونا۔

۳۔ سر کا مسح کرنا۔

۴۔ (پاک ہونے کی صورت میں) دونوں ٹخنوں سمیت پیروں کا مسح کرنا۔

یہاں پر نمبر ۴ میں قوسین کے اندر (پاک ہونے کی صورت میں) کی توضیح اس لئے کی گئی ہے کہ مجموعہ شریعت محمدیہ الفقہ الاحوط کی رُو سے پیروں کا حکم مختلف حالتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اپنی جگہ انشاء اللہ اس کی پوری تفصیل قارئین کی نظروں سے گزرے گی۔

ایک اشکال:۔

اہلِ صوفیہ نوربخشیہ کے نزدیک وضو کے کل سات واجبی احکام ہیں۔

۱۔ نیّت۔

۲۔ منہ کا دھونا۔

۳۔ کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا دھونا۔

۴۔ سر کا مسح کرنا۔

۵۔ پاکی کی صورت میں پیروں کا ٹخنوں سمیت مسح کرنا اور ناپاکی کی صورت میں دھونا۔

۶۔ ترتیب۔

۷۔ موالات۔

(مجموعۂ شریعت محمدیہ الفقہ الاحوط میں ان کی وضاحت موجود ہے)

اب ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیۂ مبارکہ سے تو وضو کے صرف چار احکام کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، نیت، ترتیب اور موالات کا اضافہ کہاں سے ثابت

کیا گیا ہے۔ اس اشکال سے تشفی یوں ہوتی ہے کہ نیت کرنا تو ہر ایک عبادت یا شرطِ عبادت پر ذہنی طور پر مقدم ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ" سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ وضو شرطِ عبادت ہے۔ لہذا اس کی نیت جو دراصل قصدِ قلبی کا نام ہے وہ ایک لحاظ سے صفت ذاتی کی طرح وضو کے دیگر واجبات کے ساتھ ہے بلکہ بجاآوری کے لحاظ سے وہ سب سے پہلے نمبر پر ہے۔ آیۂ مبارکہ میں وضو کے جو چار احکام یکے بعد دیگرے بیان کئے گئے ہیں وہی عملی ترتیب بھی ہے۔ پھر عملی ترتیب کے دوران وضو کے افعال کو چھوڑ کر اجنبی کام میں لگ جانا یا ایک واجب پر عمل کرنے کے بعد بلا کسی ضرورت کے غیر معمولی تاخیر سے کام لینا شرطِ نماز نامی اس وضو کے تقاضائے ترتیب کے منافی ہیں۔

پس موالات کا ثبوت آیۂ وضو کے مقتضائے ترتیب کی صورت میں فراہم ہوتا ہے۔ گویا آیۂ مبارکہ کی عبارت النص سے نہ سہی پر اشارہ اور اقتضاء وغیرہ سے مذکورہ چاروں واجب احکام کے علاوہ دیگر تینوں واجب احکام بھی ثابت ہوجاتے ہیں۔

دُوسری قسم :-

طہارتِ ظاہرہ کی دوسری قسم کا نام طہارتِ کبریٰ ہے۔ طہارتِ کبریٰ کا مصداق غسل ہے۔ آیۂ مبارکہ "وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوا" میں طہارتِ کبریٰ کا اجمالی بیان ہے۔ اس آیۂ مبارکہ سے طہارت کبریٰ کے اسباب میں سے ایک سبب کا پتہ چلتا ہے جو کہ جنابت ہے۔ چونکہ طہارت کبریٰ یعنی غسل کے حکم پر مشتمل آیۂ مبارکہ میں اجمال ہے اس لئے شریعت محمدیہ نے اس اجمال کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے۔

یعنی غسل کے چار واجب احکام ہیں۔

۱۔ نیت۔

۲۔ پورے بدن کا دھونا۔

۳۔ ترتیب۔

۴۔ موالات۔

کسی گہرے پانی میں غوطہ زن ہو کر غسل کرنے کی صورت میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اور موالات کا مقصد بدرجۂ اتم حاصل ہو جاتا ہے۔

نعم البدل :-

طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ کی بجاآوری کیلئے پانی نہ ملے یا پانی کا استعمال کرنا کسی بھی ناگزیر وجہ سے دشوار ہو جائے تو اُن کے ایک نعم البدل پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ شریعت محمدیہؐ کی اصطلاح میں اس کا نام تیمم ہے۔ آیۂ مبارکہ "وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ .... فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ الخ" میں وضو اور غسل کا نعم البدل یعنی تیمم کا بیان ہے۔ آیۂ مبارکہ کی عبارت النص سے تیمم کے تین واجب احکام سامنے آجاتے ہیں۔

۱۔ پاک مٹی کا قصد کرنا۔

۲۔ منہ کا مسح کرنا۔

۳۔ ہاتھوں کا مسح کرنا۔ خواہ کلائیوں سمیت ہو، خواہ کہنیوں سمیت۔

مذکورہ تینوں واجب احکام کے علاوہ نیت، ترتیب اور موالات بھی تیمم کے واجبات میں شامل ہیں۔ وضو کے واجبات کے بیان میں نیت، ترتیب

اور موالات کے بارے میں جس قسم کی تفصیل پیش کی گئی ہے، وہی تفصیل ہو بہو یہاں بھی دہرائی جائے تاکہ اشکال مذکور سے یہاں بھی تشفی ہو جائے۔ تیمم کی حیثیت اور دیگر ضروری تفصیلات اس کی اپنی جگہ پر نذرِ قارئین کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(جاری ہے)

★

حقیقتِ تصوّف ایک نظر

(گزشتہ سے پیوستہ) **ابوالعرفان**

گویا اپنی اصلی دلی مراد کو پانے تک اہلِ تصوّف کا ہر فرد صوفی ارتقائی منازل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ اس کے دل و دماغ کو صرف حصولِ رضائے مولیٰ کے تصوّر سے معنوی تازگی ملتی ہے۔ اپنے متضاد عناصر کی مادی ترکیب کے فطری تصادم کے ممکنہ غیر متوازن نتائج کی اسیری سے وہ بالکل دور ہو جاتا ہے۔ اپنی کھال سے سانپ کے نکل جانے کی طرح ہیکلِ ناسوت سے باہر ہونے کی بدولت وہ ایک معنوی بحرِ بیکراں میں غوطہ زنی سے لطف اندوز ہونے والا کامیاب انسان قرار پاتا ہے۔ اسی عظیم کامرانی والی منزل کو رسائی پانے کی یوں تاکید کی گئی ہے۔ بقولِ کسے ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے

کیسی اچھی تشبیہہ دی گئی ہے کہ بیج کا ایک دانہ بہترین زمین میں بو دیا جاتا ہے تو رفتہ رفتہ مٹی کے اندر اُس دانے کی ماہیت میں کون و فساد

والا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ دانے کا ایک حصہ زمین کے اندر جڑوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دانے کا دوسرا حصہ سطح کی طرف اُبھرنے لگتا ہے اُبھرتے اُبھرتے وہ سطح زمین پر نمودار ہو جاتا ہے۔ سطح پر عیاں ہو کر وہ فضا میں بلند ہونے لگتا ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دانے کی اس تکوینی صورت کے لئے ضروری ہے کہ اُسے اپنی ضرورت کے مطابق پانی ملتا ہے۔ اگر اُسے پانی نہ ملے اور وہ خشک ہی خشک زمین میں کچھ وقت رہے تو یقینی طور پر وہ سُوکھ جاتا ہے۔

ٹھیک یہی مثال معرکۂ نفس کے غازی بننے والے فردِ صوفی کی ہے کہ وہ پہلے پہل اپنے نفسِ امارہ کی انانیت کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاتا ہے۔ سرکش نفس کے خلاف جہاد کرنے میں جب اُسے قدرے کامیابی سی ہو جاتی ہے، تو نفس کی انانیت میں نمایاں فرق نظر آنے لگتا ہے گویا یہاں پر نفس کی انانیت کو عدم کا راہی بنائے جانے کی کیفیت اُس کا فساد ہے اور نفسِ ناطقہ قدسیہ کا مصداق بننا اس کا کون ہے۔ جس طرح دانے میں کون و فساد کے عمل سے اُس کے ممکنہ مادی حُسن میں مزید نکھار آجاتا ہے، ٹھیک اسی طرح سے فردِ صوفی کے نفسِ امارہ کے یکسر مغلوب ہو کر نفسِ ناطقہ قدسیہ کی مصداقیت سے اُس میں مزید نکھار آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ نفسِ کلیۃ الٰہیہ کے مصداق بننے کی راہ اس کے لئے بالکل ہموار ہو جاتی ہے۔ یہیں سے وہ اہل اللہ کے زمرے میں شمولیت کا شرف پالیتا ہے۔

اہل اللہ میں شمولیت کا شرف حاصل ہو جانا ہی درحقیقت تصوفِ اسلامی کا منتہائے کمال ہے۔ اہل اللہ کے قلوب کے میلان کی کیفیت اور

ان کا حقیقی معنوں میں ارباب کمال کا گروہ ہونا اس فرمانِ نبوی ﷺ سے واضح ہو جاتا ہے۔

اَلدُّنْیَا حَرَامٌ عَلٰی اَھْلِ الْاٰخِرَۃِ وَالْاٰخِرَۃُ حَرَامٌ عَلٰی اَھْلِ الدُّنْیَا وَھُمَا حَرَامَانِ عَلٰی اَھْلِ اللّٰہِ۔

یعنی آخرت والوں پر دُنیا حرام ہے۔ دُنیا والوں پر آخرت حرام ہے اور اللہ والوں پر یہ دونوں۔ (دنیا اور آخرت) حرام ہیں۔

آخرت والے کون ہیں!

آخرت والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اخروی کامرانی کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ دنیوی آرام وراحت ان کی نگاہوں کو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں بھاتی اپنی انتہائی پاکیزگیٔ طبع کی بنا پر وہ اس دنیائے دوں کی مالی منفعت کو اپنے لئے حرام کی حد تک ناپسند کرتے ہیں۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ دُنیا کی کسی حلال چیز کے استعمال کو حرام سمجھتے ہیں بلکہ مادی طمع سے ان کے نفوس بالکل منزہ ہوتے ہیں، لہذا وہ اس دنیوی آسائش سے اجتناب کرتے ہیں تاکہ سرکش نفس کو سزا دینے کی حالت برقرار رکھی جاسکے۔ چنانچہ جناب امیر علیہ السلام نے اسی پہلو کو مدِ نظر رکھ کر میدانِ تصوّف کے شہ سواروں کے لئے حقیقی معنوں میں زہد و تقویٰ کے حامل رہنے کی خاطر ایک ایسا ہی گُر سمجھا دیا ہے جو اہلِ تصوّف کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

دُنْیَا تُخَادِعُنِیْ کَاَنِّیْ لَسْتُ اَعْرِفُ حَالَھَا
حَظَرَ الْمَلِیْكُ حَرَامَھَا وَاَنَا اجْتَنَبْتُ حَلَالَھَا

هَدَتْ اِلَیَّ یَمِیْنَهَا دَرَدْتُهَا وَشِمَالَهَا
وَرَاَیْتُهَا مُحْتَاجَةً فَوَهَبْتُ جُمْلَتَهَا لَهَا

یعنی دنیا مجھے یوں دھوکا دینا چاہتی تھی کہ گویا مجھے اس کی حالت کی پہچان نہ ہو۔ بادشاہِ خالق نے حرام دُنیا سے منع فرمایا اور میں نے اُس کے حلال سے بھی پرہیز کیا۔ دُنیا نے میری طرف اپنے دائیں ہاتھ کو پھیلایا تو میں نے اُس کے دائیں ہاتھ کو اسی کے بائیں ہاتھ سمیت اُس کو واپس کر دیا۔ دنیا مجھے کنگال معلوم ہوئی تو اس کی تمام چیزوں کو میں نے اُسی کو دیدیا۔

امیر المومنین علیہ السلام کے بتائے ہوئے اس لاجواب معنوی گُر سے ہم اہلِ صوفیہ کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے دینوی منفعت کو کبھی بھی قابلِ ترجیح نہ سمجھیں بلکہ اخروی راحت کے پیشِ نظر اُسے اگر اختیار بھی کرنا پڑے تو ثانوی حیثیت دیں اور اسے مقصودِ نظر نہ بنائیں۔ بلکہ ایسا بےمثال صوفیانہ معاشرہ اپنائیں جس میں دُنیا بھی دین بن جائے۔ ہر حال میں دین کو دنیوی سیاست کا رہبر بنائیں اور دین و دُنیا کی تفریق کا مغربی نظریہ مسترد کر دیں، تاکہ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیاسی بصیرت سے ہمیں بھی وافر حصہ مل جائے۔ علامہ اقبال رحؒ نے بھی اسی کی طرف یوں توجہ دلائی ہے ؎

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

دنیا والے کون ہیں!

دنیا والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پیشِ نظر فقط اس دنیائے رنگ و بُو میں منفعتِ دنیوی کا حصول ہوتا ہے۔ اخروی کامرانی کے تصور سے اُن کے

اذہان یکسر عاری ہوتے ہیں۔ وہ دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور فقط دنیوی زندگی کے معیار کو بلند کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ گویا بلحاظِ اعمال سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے اسیرانِ متاعِ دُنیا وہی لوگ ہیں جو قرآنی اعلان "اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" کے صحیح مصداق ہیں۔ وہ نفسِ امارہ کی غلامی پر نازاں رہتے ہیں۔ بسا اوقات وہ مفاد پرست ملنگوں اور قلندروں کے رُوپ میں سادہ لوح عوام کے اقتصادی نظام پر خوبصورتی سے ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ قرآن پاک نے اُن کے معاشی نظام کی یُوں تصویر کشی کی ہے "لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ" یعنی ایسے لوگ یقینی طور پر باطل طریقے سے لوگوں کے اموال چٹ کر جاتے ہیں۔

اللہ پاک اس قسم کے اہلِ دُنیا میں شمولیت کی شقاوت سے عام مسلمانوں کو عموماً اور اہلِ صوفیہ کو خصوصاً محفوظ رکھے۔ آمین۔

اللہ والے کون ہیں!

اللہ والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے اذہان ہر قسم کی مادی منفعت کے تصور سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ قرآنی اعلان "وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ یعنی جو لوگ اپنے نفس کی لالچ سے بچ گئے وہ فلاح پانے والے ہیں" کے مصداق ہوا کرتے ہیں۔ حرص و ہوا سے وہ اس قدر کوسوں دُور رہتے ہیں کہ اخروی راحت یعنی جنت مکین ہونا بھی اُن کے پیشِ نظر کوئی چیز نہیں۔ اُن کے نزدیک ممنوعات سے بچنا آتشِ دوزخ کے ایندھن بننے کے خوف کی بنا پر نہیں۔ اسی طرح سے مامورات کی بجاآوری بہشتِ بریں کی فرحت بخش لافانی زندگی سے دوامی طور پر لطف اندوز ہونے کی لالچ کی

بنا پر نہیں بلکہ اُن کے پیشِ نظر صرف رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ جناب امیرؑ کے فرمان سے اس کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

اِلٰہِی مَا عَبَدْتُکَ خَوْفاً مِّنْ نَارِکَ وَ لَا طَمَعاً فِیْ جَنَّتِکَ وَلٰکِنْ وَجَدْتُکَ اَھْلاً لِّلْعِبَادَۃِ فَعَبَدْتُکَ ؕ

یعنی اے میرے معبود! میں نے تیری پرستش نہ تیری آگ کے ڈر سے کی اور نہ ہی تیری جنت کی لالچ میں کی بلکہ میں نے تجھ کو پرستش کا سزاوار پایا تو تیری پرستش کی۔

آدم الاولیاء جناب امیر علیہ السلام نے اپنے اس مناجات نما فرمان میں اہلِ تصوّف کے ہر ہر فردِ صوفی کے لئے ایک باکردار مردِ مومن اور ریاضت و مجاہدہ سے فیضیاب ہونے والے ایک باکردار مردِ مجاہد کی عملی زندگی کا معیار تبلا دیا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ ہم حقیقی طور پر ایک باکردار مردِ مؤمن اور مردِ مجاہد کی طرح عملی زندگی گزارتے رہیں تاکہ صحیح معنوں میں ہمارا شمار اہلِ تصوّف کے باکمال اصحابِ صوفیہ میں ہو سکے اور ہم دکھا دے کے خشک صوفیوں اور ریاکار ملّاؤں کی ظاہری مستی والی صورتوں میں کھو کر نہ رہ جائیں۔ کیونکہ خشک صوفی وہ ہوتا ہے جو طریقت کو پابندِ شریعت سمجھنے سے متنفر رہتا ہے اور جعلی پیر کا رُوپ دھار کر گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ خشک ملّا وہ ہوتا ہے جو فقط باتوں کا ہیرو بن کے رہتا ہے اور اس کی زندگی عمل کو ترستی رہتی ہے۔ ڈاکٹر اقبالؒ کو بھی اس بارے میں اظہارِ تأسف یُوں کرنا پڑا۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار

وہ مردِ مسلماں نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

(جاری ہے)

نعتِ رسولؐ

مردِ کہستانی

محمدؐ کتنا اچھا کتنا پیارا نام لگتا ہے
مدینے کا تصور روح کا آرام لگتا ہے

لگی ہے کیا سبیل دید یاں مولا کی محفل میں
پلا دیتے اُس کو جو بھی تشنہ کام لگتا ہے

بنا کر رحمۃ للعالمیں بھیجا زمانے میں
خدائے لم یزل کا یہ حسیں انعام لگتا ہے

تری یادیں عجب اک بے خودی سی ساتھ لاتی ہیں
بڑے ہی فاصلے پر پھر غمِ ایام لگتا ہے

گزارا ہے ترے الطاف کی امیدواری پر
دگرنہ اب تو جینے کا تصور خام لگتا ہے

بنایا ہے نشاطِ آرزو نے خوش خیال اتنا
کہ ہر جھونکا ہوا کا دوست کا پیغام لگتا ہے

شریک اب کیجیے گا قافلے میں اپنی رحمت کے
عدم کی بیکراں وسعت کا ڈر ہر گام لگتا ہے

مدینہ مل سکے یا دشتِ ناکامی میں دم نکلے
بہرحال عشقِ فانی اپنا خوش انجام لگتا ہے

کہستانی نتیجہ ہے عجب توفیقِ مدحت کا
خود اپنا آپ مجھکو لائقِ اکرام لگتا ہے

اُن سے سیکھئے اور ایسا ہی کیجئے

امیر علی ممتاز بی۔ اے

بہت دنوں سے آرزو تھی کہ مذہب صوفیہ نوربخشیہ کے ممتاز عُلما جناب علامہ محمد بشیر صاحب براہ اور جناب اخوند محمد ابراہیم صاحب خپلو کی ہمہ صفت شخصیت اور گراں قدر دینی خدمات کے بارے میں کوئی مضمون لکھوں مگر ہمیشہ یہ احساس دامن گیر رہا کہ مجھ سا کوتاہ نظر شخص کیونکر ان بزرگوں کے اعلیٰ کارناموں کو کما حقہٗ صفحۂ قرطاس پر منتقل کر سکے گا۔ بحمد للہ نوائے صوفیہ کی اشاعت سے حقیر کو حوصلہ ہوا کہ اپنی بے بضاعتی کے باوجود کچھ احوال واقعی نذرِ قارئین کئے جائیں۔

مجھے یہ کہتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ مذہبِ نوربخشیہ کے تمام علمائے کرام، ساداتِ عظام، ملازمین، طلباء اور عوام کی پُرخلوص کوششوں کے باعث مختصر سے عرصے میں دینِ حقہ کو بے مثال ترقی ملی ہے۔ اگر مسلمانانِ نوربخشیہ ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع ہو کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اسلامی فریضہ سر انجام دیں تو انشاء اللہ احیائے مذہب و تصوف کی تحریک دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ ہے اور اپنے سچے کلام اور سچے دین کا محافظ ہے۔ صوفیائے کرام کی انتھک کوششوں اور قربانیوں کے نتیجے میں کشمیر سے لے کر بلتستان تک کے بُت پرست معاشروں میں اسلام اور ایمان کی

شمع روشن ہوئی تھی۔ بعد ازاں کمزور عقیدہ رکھنے والے مسلمانوں نے صوفیائے کرام کی عظیم تبلیغی مساعی کو خاک میں ملانے کی کوشش کی۔ مگر خداوندِ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دینِ حق اپنی اصل صورت میں محفوظ رہا اور آج مذکورہ بزرگ پیر نوربخشیہ جناب سید عون علی الموسوی کی رہنمائی میں مسلمانانِ نوربخشیہ کو ایک بار پھر تصوفِ اسلامی کی نشاۃ ثانیہ کی منزل کی طرف لے جا رہے ہیں۔ خدائے بزرگ وبرتر ہم سب کو ان جلیل القدر بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین!

اقوالِ صوفیاء

مولانا محمد علی
سابق خطیب جامع مسجدِ نوربخشیہ - کوئٹہ

(علم و عرفان کے یہ بے بہا موتی کتاب منتخب الاولیاء مؤلفہ غوث المتاخرین شاہ سید محمد نوربخش قہستانیؒ سے چنے گئے ہیں۔)

۱۔ تصوف یہ ہے کہ آدمی حقائق کو جان لے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اُس سے بے نیاز ہو جائے۔

(شیخ معروف کرخیؒ)

۲۔ تصوف تین معانی پر مشتمل ہے۔ صوفی وہ ہے جس کا نورِ معرفت پرہیزگاری کے چراغ کو گل کرنے کا باعث نہ بنے اور کوئی ایسا باطنی کلام نہ کرے جو کلامِ مجید کے برعکس ہو اور کرامات اُسے ارتکابِ حرام پر آمادہ نہ کریں۔

(شیخ سری سقطیؒ)

۳۔ تصوف انبیا علیہم السلام کے آٹھ اخلاق پر مبنی ہے:

سخاوت، جو ابراہیم علیہ السلام کا اخلاق ہے۔

رضا جو اسحٰق علیہ السلام کا اخلاق ہے۔

صبر جو ایوب علیہ السلام کا اخلاق ہے۔

ارشاد جو زکریا علیہ السلام کا اخلاق ہے۔

غربت جو یحییٰ علیہ السلام کی سنت ہے۔

صوف (اُون کا لباس) جو موسیٰ علیہ السلام کی سنت ہے۔
سیاحت جو عیسیٰ علیہ السلام کا طریقہ ہے۔
اور فقر جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہے۔
(شیخ جنید بغدادیؒ)

۳۔ تصوف محبوب کے دروازے پر ڈیرہ جمانے کا نام ہے چاہے وہ (سائل کو) رُخصت کرے۔
(شیخ ابو علی رُودباریؒ)

۴۔ معتزلہ نے عقل کی روشنی میں خدا تعالیٰ کی تنزیہ کی اور ٹھوکر کھا گئے اور صوفیا نے علم کی روشنی میں خدا تعالیٰ کی تنزیہ کی اور انہوں نے سچی بات کہی۔
(شیخ ابو علی کاتبیؒ)

۵۔ تصوف کے طریقے میں سالک کے لئے افضل ترین چیز محاسبہ، مراقبہ اور علم کے مطابق عمل کرنا ہے۔
(شیخ ابو عثمان مغربیؒ)

۶۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد ننانوے ہے یہی سالک کے اوصاف بن جاتے ہیں اور وہ انہی سے وابستہ رہتا ہے۔
(شیخ ابو القاسم جورجانیؒ)

۷۔ (تصوف کی اصطلاح میں) توکل سے مراد یہ ہے کہ (سالک) کسی چیز کے ملنے نہ ملنے کو محض مشیت خداوندی سمجھ لے۔
(شیخ ابو بکر نساجیؒ)

۸۔ جو شخص خدا کی راہ میں تلف ہو جائے خدا کے ذمے اسے اس کے معاوضے میں بہتر زندگی دینا ہے۔
(شیخ احمد غزالیؒ)

۹۔ تصوف کی ابتداء علم ہے، اوسط عمل ہے اور انتہا بخشش ہے۔
(شیخ ابو نجیب سہروردیؒ)

۱۰۔ جب تک تُو اپنا راستہ "لَا" کے جھاڑو سے صاف نہ کرے، "اِلَّا اللّٰہُ" کی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔
(شیخ نجم الدین کبراؒ)

۱۱۔ طریقت کے راستے میں ولی چاہے جتنی کوشش کرے اور اس کا رُتبہ چاہے جتنا بلند ہو جائے، اُس کی رُوح کو وہ معراج حاصل نہیں ہو گا جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم کو حاصل ہوا تھا۔ پس ولی کی روح کی انتہائے ولایت جسم نبیؐ کے مشابہہ ہے اور طریقت میں ولایت کی انتہا، نبوّت کی ابتدا ہے۔
(شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ)

۱۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے راستے لوگوں کے انفاس کی تعداد کے برابر ہیں۔
(امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ)

۱۳۔ اپنے بیضۂ دل پر اس طرح بیٹھ گویا کہ تُو ایک پرندہ ہے کیونکہ اسی طرح سے تُو صاحبِ حال ہو جائے گا۔
(خواجہ اسحاق ختلانیؒ)

۱۴۔ جان لو کہ صوفیاء کا مذہب سیدھی ترازو ہے اور حق اور یقین کا راستہ ہے۔ جس میں کوئی غلو، کمی، زیادتی، نقصان اور افراط و تفریط نہیں ہے اور جن کے متعلق بھلائی کی بشارت دی گئی ہے لیکن اکثر لوگ ناسمجھ ہیں۔ وہ بیماریوں اور مصائب میں جا پڑے ہیں۔ انھوں نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ بعض نے بعض کے خلاف بڑی

بہتان تراشیاں کیں اور پھر بعض نے بنی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل،
اور آپ کے صحابہ اور آپ کی ازواجِ مطہرات اور ان کے بعد کے
عارفین کے متعلق محبت اور عداوت میں غلوُ اختیار کیا اور استقامت
اور اعتدال کی راہ چھوڑ دی۔ ان میں سے بعض نے مجذوب ابدالوں
کے اقوال اور معذورات افعال کو دیکھا مگر اپنی کج فہمی کے باعث
اُن کے اقوال اور افعال کا مقصد نہ سمجھے اور اُن کو طعن کا نشانہ
بنایا اور اُن کو زندیق۔ حلولی۔ ملحد۔ کافر اور بدعتی ٹھہرایا اور انہیں
ہر طرح کی اذیتیں دیں مگر انہوں نے (صوفیا نے) رضائے الٰہی
کی خاطر بڑا اچھا صبر کیا۔

(شاہ سید محمد نوربخش قہستانیؒ)

...... گیا دورِ گراں خوابی

مردِ کہستانی

پین اسلام ازم (Pan Islamism) کی جس عظیم تحریک کی بنیاد غوث المتاخرین شاہ سید محمد نوربخش قہستانیؒ نے رکھی تھی، اُسے محض غفلت اور تنگ نظری کی بنیاد پر سینکڑوں سال تک نظر انداز کیا جاتا رہا۔ دراصل یہ دَور عالمِ اسلام کے سیاسی، معاشی اور مذہبی زوال اور انحطاط کا تھا، جس میں محض فرقہ وارانہ عصبیت، امتیاز رنگ و نسل اور معاشی برتری کے حامل اقوام کی ذہنی غلامی جیسے مہلک جراثیم مسلمانوں کے خونِ تازہ میں نفوذ کرتے رہے، نتیجتہً درباری سازشیں، خوشامدانہ رویّے اور احساسِ کمتری کے مہلک اثرات زہرِ ہلاہل کی سی سرعت سے ہماری رگ و پے میں پھیلتے چلے گئے۔ اہلِ اقتدار کے ذہنوں میں دنیا داری کا رجحان اسلام کے ابتدائی دور میں ہی پیدا ہونا شروع ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ اربابِ اقتدار محض نام کے مسلمان ہو کر رہ گئے اور مسلمان ممالک کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام مذہب کی اصل رُوح سے ہم آہنگ نہ رہ سکا۔ ایسے حالات میں مذہبی تعلیم و تبلیغ کے ذمہ دار علماء کے بھی دو گروہ بن گئے، ایک گروہ وہ جو ظاہر پرستی پر فریفتہ تھا اور محض نام و نمود کی خاطر ڈیڑھ اینچ کی مسجدیں بنانے کے جذبے کے زیرِ اثر تعصب اور تفرقہ بازی کو ہوا دیتا تھا۔ دوسرا گروہ اُن علماء کا تھا جو بدلے ہوئے حالات سے بدظن

ہو گئے تھے۔ وہ حالات کا رُخ پلٹنے کے لئے عملی طور پر تو کچھ نہ کر سکے، البتہ تارک الدنیا ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی اور عملی زندگی کے ٹھوس حقائق سے متعلق مسائل کو سلجھانے کی اہم ذمہ داری دوسروں پر ڈال کر خود مافوق الفطرت باتوں میں دلچسپی لینے لگے اور احوال و مقامات کے رنگین افسانے سُنا کر عمل پسند مسلمانوں کی بھی عادتیں بگاڑنے لگے۔ یہ دراصل ایک قابلِ افسوس فراریت تھی جسے آگے چل کر مذہب کی پُرشکوہ عمارت کے حتمی انہدام پر منتج ہونا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں رویّے منفی نوعیت کے تھے جن کے سبب سے مذہب زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنے میں بڑی حد تک ناکام رہا۔ دُوسری طرف وہ منکرین جو مذہب، خدا اور آسمانی کتابوں کو محض عالمِ خیال کی باتیں سمجھتے اور سرمایہ دار طبقے کا آلۂ استحصال گردانتے تھے اس بے سمتی کی کیفیت سے فائدہ اُٹھا گئے۔ اُن کے افکار عام لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے اوہام اور شبہات سے قطعی مناسبت رکھتے تھے لہٰذا نوجوان نسل نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور صورت حال اس حد تک بگڑ گئی کہ اکثر ممالک میں مذہب ہی کو افراد کا ذاتی معاملہ خیال کیا جانے لگا اور مذہب کی تبلیغ اور ترویج کی مساعی کو فرسودہ اور مضحکہ خیز سمجھا جانے لگا۔ جمہوریت، فسطائیت، اشتراکیت ایسی اصطلاحات مقبولِ عام ہو گئیں۔ اب مذہبی نعرہ ان سب نعروں کا نعم البدل نہ تھا، کیونکہ نام نہاد تہذیب یافتہ لوگ مذہب کو محض دورِ قدیم کی یادگار سمجھتے تھے اور اس کی تعلیمات کی پیروی کو چنداں ضروری نہیں جانتے تھے۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اہلِ عالم کی ایک بڑی اکثریت مذہب کے نام سے ہی متنفر ہے، جو بچے کھچے لوگ رہ گئے ہیں، وہ بھی ہر طرح کی بُت پرستی

کو روا جانتے ہیں - یہ تازہ اصنام دولت، قومیت، رنگ، نسل، طبقاتی امتیاز اور غرور جاہ و حشم کی صورت میں بیشتر دلوں کا قبلہ و کعبہ ہیں۔

آج کے اس بے خدا معاشرے میں مذہب کے سنہری اصولوں پر عمل کرنے کی ضرورت ہمیشہ سے بڑھ کر ہے کیونکہ آج زندگی نہایت پیچیدہ ہو چکی ہے - ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے اور انسانیت کے زریں اصولوں کو ہر شعبۂ حیات میں پس پشت ڈالا جا رہا ہے -

انسانوں کی اپنی حیوانی جبلتوں کی تہذیب کر کے انہیں زندگی کے اعلیٰ مقاصد سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت کے پیش نظر خداوند تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً صالحین کو انسانی معاشرے کی اصلاح کا عظیم مشن دے کر بھیجا ہے - ایسے مصلحین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد اُن میں سب سے زیادہ قابل ذکر وہ اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام ہیں جنہوں نے محض خانقاہی طلسمات میں الجھنے کے بجائے عملی جدوجہد کے ذریعے انسانی معاشرے کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی ماحول کو سدھارنے کے لئے انتھک محنت کی اور عام لوگوں کے فکر و عمل میں ایک نمایاں انقلاب برپا کیا - غوث المتاخرین شاہ سید محمد نور بخش قہستانیؒ کا شمار تاریخ انسانی کی اہم برگزیدہ ہستیوں میں ہوتا ہے -

شاہ سیدؒ کا عظیم مشن اور ہماری مجرمانہ غفلت

دین اسلام کی حقیقی ترقی و ترویج اور لوگوں کی معاشرتی اور سیاسی دنیا میں ایک اہم انقلاب برپا کرنے میں شاہ ہمدان امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کی مساعی سے عام مسلمان باخبر ہیں مگر اُن کے معنوی جانشین شاہ

سید محمد نور بخش قہستانیؒ نے تمام عالمِ اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر لاکر مذہبی تعصب اور تنگ نظری کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی جو تحریک چلائی تھی وہ بد قسمتی سے زمانے کی ناموافقت، بادشاہِ وقت کی کج فکری اور علمائے وقت کے مخاصمانہ رویے کے باعث زیادہ پروان نہ چڑھ سکی اور جیسا کہ اہلِ حق کے ساتھ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے شاہ سید علیہ الرحمہ کو بھی بلند نظری، حق گوئی اور راست فکر رکھنے کے پاداش میں ہر طرح سے ستایا گیا۔ ان کے عظیم مقصد کو داغ دار بنانے کے لئے خوب خوب کیچڑ اُچھالنے کا عمل زور شور سے شروع ہوا اور اتحاد عالمِ اسلامی کی سعیٔ عظیم کو نعوذ باللہ کفر اور زندقہ پر محمول کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ سیدؒ کے پیروکار جو امتِ مرحومہ کے برسرِ پیکار گروہوں کے درمیان موجود اختلافات کی وسیع خلیج کو پاٹنے کے مشن کو لے کر میدانِ عمل میں آگئے تھے، اُن کی آواز پر کسی نے کان نہیں دھرا بلکہ اصلاح پسندوں کے اس گروہ کو فرقہ ہائے اسلام کی موجود تعداد میں ایک نئے گروہ کا اضافہ خیال کیا گیا اور جو بڑے گروہ آپس میں برسرِ پیکار تھے انہیں اپنے اندر ضم کر کے اپنی 'افرادی قوت' میں اضافہ کرنے پر کمربستہ ہو گئے۔

شاہ سید علیہ الرحمہ کی اصلاحی کوششوں کا جامع خلاصہ تو ان کی عہد ساز تصنیفات ہیں جو "الفقہ الاحوط" "کتاب الاعتقادیہ" اور "نجم الہدیٰ" وغیرہ ناموں سے آج بھی معروف و مقبول ہیں۔ جو کچھ انہوں نے لکھا وہ کوئی نئی چیز نہیں تھی بلکہ وسیع النظر اور حقیقی علم اور عرفان کی دولت سے بہرہ ور علماء اور صوفیائے کرام انہی باتوں پر عمل کرتے آئے تھے کیونکہ یہی اسلام کی اصل وراثت تھی جسے انہوں نے

پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنی اصلی حالت میں پایا تھا اور راست فکر مسلمانوں کے لیئے اس عظیم دستورِ عمل کے بنیادی ڈھانچے میں کوئی تبدیلی کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی، کیونکہ ان سب کے دل خلوص کی دولت سے مالا مال تھے اور وہ منفعت دنیوی اور ہوسِ زر کے نشے میں احکامِ الٰہی میں نت نئی بدعتیں پیدا کرنے کا گھناؤنا کاروبار نہیں کرتے تھے۔ مگر جو لوگ یہ کاروبار کرتے تھے انہیں اصل دینِ اسلام کی تبلیغ گوارا نہیں تھی۔ وہ ہر مرحلہ پر اپنی اجارہ داری کو برقرار رکھنے پر تلے ہوئے تھے اور تعصّب اور عداوت کے لہجے کے علاوہ وہ کسی دوسرے انداز میں بات کرنے کے قائل نہیں تھے۔

بعد میں آنے والے لوگ اگر سمجھتے اور شاہ سید علیہ الرحمہ کے کام کو آگے بڑھاتے تو بلاشبہ ایک اہم کارنامہ سر انجام دیا جا سکتا تھا۔ یہ کام مرحلہ وار طے ہونا تھا۔

پہلے مرحلے میں مسلمانوں کے مختلف مکاتیبِ فکر کے درمیان موجود اصولی اور فروعی اختلافات ختم کیئے جا سکتے تھے اور بالفرض اگر ان مہلک رجحانات کا مکمل قلع قمع نہ بھی ہو جاتا تو عالمِ اسلام کو ایک فکری یکجہتی میسر آسکتی تھی جس کے نتیجے میں بلند بانگ معاندانہ نعرے لگانے اور ایک دوسرے کے خلاف معرکہ کارزار گرم رکھنے کے بجائے افراد کے کردار و اعمال کی اصلاح پر توجہ دی جا سکتی تھی اور عمومی معیارِ اخلاق بہتر بنایا جا سکتا تھا۔

دوسرے مرحلے پر مذہب کی مابعد الطبیعاتی صورتوں اور فطری اور عملی صورتوں کو یکجا کیا جا سکتا تھا چنانچہ مذہب کو چند رسوم و رواج پر مشتمل سمجھنے کی بجائے ایک مکمل ضابطۂ حیات تصور کیا جاتا جس

میں ایک طرف اعلیٰ اخلاقی نظریات کی نشوونما ہوتی اور دوسری طرف عملی زندگی کے مسائل بھی خوش اسلوبی سے نمٹائے جا سکتے اور مثالیت پسندی اور حقیقت پسندی کے درمیان توازن کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔

تیسرے مرحلے پر مذہبی فکر کو جدید علوم اور فنون سے حاصل شدہ نتائج سے ہم آہنگ کیا جا سکتا تھا اور جدید معاشرتی، اقتصادی اور سائنسی نظریات اور تصورات کو بھی مذہب میں سمو دیا جاتا۔ یوں دین اور دُنیا کی تفریق ختم ہو جاتی اور مذہب کو محض لوگوں کا نجی معاملہ سمجھنے کی بجائے ہر شعبۂ حیات میں لائحۂ عمل کی حیثیت حاصل ہو جاتی۔

مگر قابلِ صد افسوس یہ بات ہے کہ علمائے اسلام نے مثبت طرزِ فکر نہیں اپنائی جس کا عبرتناک نتیجہ اس صورت میں برآمد ہوا کہ لوگ مذہب کے نام سے ہی بیزار ہونے لگے اور استعماری قوتوں کی شاطرانہ چال میں آ کر مادہ پرستی کی بھول بھلیوں میں کھو گئے جہاں سے باہر آنا دُور کی بات معلوم ہوتی ہے۔

یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے انتہائی خطرناک ہے کیونکہ جہاں ہماری جغرافیائی سرحدیں کفار کی یلغار سے محفوظ نہیں ہیں وہاں ہمارا نظریاتی حصار بھی اب محض ریت کی دیوار بن چکا ہے جو کفر کے تند ریلے کا ذرا دیر بھی دفاع نہیں کر سکتا۔

مذہبی احیائے نو کی نئی ہمہ گیر تحریک:

یہ بات نہایت حیات بخش اور باعثِ مسرت و اطمینان ہے کہ عظیم مصلح شاہ سید محمد نوربخش قہستانی ؒ کے مشن کو آگے بڑھانے

کے لئے علمائے تصوف دوبارہ میدان میں آگئے ہیں۔ خادم ملت پیر طریقت حاجی الحرمین جناب سید عون علی الموسوی دام ظلہ کا دور اس لحاظ سے باسعادت ہے کہ نظریاتی اور عملی محاذ پر مسلمانان نوربخشیہ کو نت نئی کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں۔ احیائے مذہب و تصوف کی جو تحریک اب شروع ہوئی ہے اس کے قائدین وہ علمائے کرام ہیں جو سلسلۂ ذہب کے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نوربخشی مسلمانوں میں ایک نمایاں روحانی انقلاب پیدا کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ یہ علمائے کرام زندگی کے جدید تقاضوں سے بھی کماحقہ واقف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں میں فی زمانہ کس قسم کی تعلیم اور ترقی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ تحریک کے اہم ترین قائد جناب اخوند محمد ابراہیم فرماتے ہیں کہ ہمیں نوجوان نسل میں بیک وقت مذہبی اور سائنسی طرزِ فکر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ (یاد رہے کہ صدر الاسلام میں بھی مذہبی تعلیم اور سیکولر تعلیم کے مابین امتیاز روا نہیں رکھا جاتا تھا اور مسجد بیک وقت مذہبی، سیاسی، سائنسی اور معاشرتی پہلوؤں پر محیط ایک ہمہ گیر ادارہ تھی)۔ دیگر علمائے کرام جن میں نمایاں نام واعظِ شیریں بیاں فخرِ سادات جناب الحاج سید سعادت جان الموسوی شیرِ بیشۂ نوربخشیت جناب مولانا عبداللہ صاحب چھوربٹ، پروانۂ شمع تصوف جناب الحاج مولانا علی الکوروی اور جناب غلام علی حیدری بی۔ اے کے ہیں، وہ بھی اس خیال سے مکمل اتفاق فرماتے ہیں اور جدید خطوط پر نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کو ناگزیر جانتے ہیں۔

اس ہمہ گیر تحریک کے دو مقاصد تو نہایت واضح ہیں۔ ایک

مقصد جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے نوجوان نسل میں فکری انقلاب برپا کرنے کیلئے ان کی صحیح مذہبی اور سائنسی خطوط پر تعلیم و تربیت کرتا ہے جبکہ دوسرا اہم مقصد علمائے تصوف کی اصلاحی مساعی کو جن پر برسوں سے غفلت اور بے توجہی کی گرد جمی ہوئی ہے، پھر سے حیاتِ نو بخشنا ہے۔ اس مقصد کے لئے تبلیغی سرگرمیوں اور مذہبی نشر و اشاعت پر زبردست توجہ دی جائے گی اور صوفیائے کرام کی گراں قدر تصانیف محض کیڑوں کی خوراک بننے کی بجائے بے سکون انسانوں کو روحانی ڈوز دینے کے لئے کام میں لائی جائیں گی۔

لوگوں کی روحانی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ معاشی استحکام کے پہلو پر سب سے پہلے توجہ دی گئی چنانچہ مذکورہ قائدین نے چندے کی ایک مہم کا آغاز کیا اور اگرچہ چندہ دہندگان کی اکثریت غریب عوام کی تھی مگر ان کے خلوص کی دولت جو بادشاہوں کے خزانوں سے بھی زیادہ بیش قیمت تھی، ہر ہر مقام اور مرحلے پر بے دریغ لٹائی گئی۔ اب اللہ کے فضل سے وافر سرمایہ جمع ہو چکا ہے جس سے کوئی سا بھی تعلیمی اور اشاعتی مشن شروع کیا جا سکتا ہے۔ چندہ کمیٹی بلتستان، گلگت، اسلام آباد اور لاہور وغیرہ شہروں میں چندے کا کام مکمل کر چکی ہے اور اس وقت کراچی میں مصروفِ عمل ہے۔ چندے کا کام اختتام کو پہنچنے کے بعد ایک کُل پاکستان نوربخشی کانفرنس' میں مختلف تعلیمی، اشاعتی اور تعمیراتی منصوبوں کی تفصیلات پر غور کیا جائے گا اور خدائے پاک کے بابرکت نام کے ساتھ اس نیک کام کا آغاز کیا جائے گا۔

تحریک کے قائدین کو مکمل یقین ہے کہ ان کا مقصد خداوند تعالیٰ کی رضا مندی کا حصول ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مرحلے پر انہیں کامیاب و کامران

رکھے گا۔

ہم اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ گراں خوابی کا دور رخصت ہوا اور مذہب اسلام کی ترقی و ترویج پر علماء اور عوام پھر سے کمر بستہ ہوئے۔ اب نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور راہ خدا میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کریں۔

خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

آمین۔

شاہِ ہمدانؒ کے مختصر حالات

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل ذبیح

کشمیر اور بلتستان میں شاہِ ہمدان امیر کبیر سید علی ہمدانی کی گراں قدر تبلیغی مساعی کے پیشِ یہ بات ضروری محسوس ہوتی ہے کہ اس جلیل القدر بزرگ کے حالات سے ہر خاص و عام کو آگاہی حاصل ہو۔

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ ۱۲ رجب المرجب ۷۱۴ھ بروز شنبہ ایران میں ہمدان کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا اور آپ کے والد میر شہاب الدین بن میر محمد حسینی تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب سولہویں پشت میں آدم الاولیاء حضرت علیؑ ابن ابی طالب سے جا ملتا ہے۔ آپ نے بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا اور جملہ ظاہری اور باطنی علوم میں تبحر حاصل کیا۔ علم تصوف میں آپ نے اپنے ماموں سید علاء الدین سمنانیؒ شیخ ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی اور شیخ محمود مزدقانیؒ سے فیضیاب ہوئے۔ اور اپنے استادِ معنوی شیخ محمود مزدقانیؒ کی ہدایت پر دنیا کا سفر اختیار کیا۔ کہتے ہیں کہ اکیس برس کی مسلسل سیاحت کے دوران شاہ ہمدانؒ نے چودہ سو اولیاء اللہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ دورِ تیموری میں آپ سات سو سادات کے ہمراہ واردِ کشمیر ہوئے۔ یہ ۷۴۴ سنہ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد

مکہ تشریف لے گئے اور ۷۸۱ھ میں سلطان قطب الدین کے دور میں دوبارہ وادی کا سفر اختیار کیا۔ تقریباً ڈھائی سال کے قیام کے بعد ترکستان کی جانب عازم سفر ہوئے۔ اسی دوران آپ لداخ کے راستے بلتستان تشریف لائے اور یہاں کے لوگوں کو مشرف بہ اسلام فرمایا۔ آپ نے بلتستان میں جگہ جگہ مسجدیں تعمیر کرائیں اور نمازِ پنجگانہ کی باجماعت ادائیگی پر زور دیا۔

شاہ ہمدانؒ ۷۸۵ھ ہجری میں تیسری بار کشمیر تشریف لائے لیکن صحت کی خرابی کے باعث واپس ہوئے اور ذوالحجہ کی پانچ تاریخ کو پکھلی کے مقام پر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

دم واپسیں آپ کے مبارک ہونٹوں پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے الفاظ تھے اور حیرت کی بات ہے کہ انہی الفاظ سے آپ کی تاریخِ وفات نکلتی ہے۔

اللہ ان کی رُوحِ اقدس پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

حوادثِ واقعی

ابوالعرفان

بعض افرادِ قوم اپنی معنوی برادری کے جملہ حقوق کے حقیقی نگہبان ثابت ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ عوام کی عقیدت مندی کا حق ادا کرتے رہتے ہیں اور اپنی بے مثال دینی خدمت اور روحانی کارناموں کی بدولت لوگوں کے دلوں پر راج کرتے ہیں۔ وہ جب تبلیغی مشن پر نکلتے ہیں تو ہر جگہ ان کے لئے عقیدت مندوں کی نگاہیں فرشِ راہ بن جاتی ہیں یہ حالت جب تک برقرار رہتی ہے تب تک کوئی بھی قوم ترقی کے مراحل سے گزرتی رہتی ہے۔ قوم کا ہر ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق عروج پر ہوتا ہے۔ خانقاہیں اور مسجدیں عبادت گزاری کے رُوح پرور مناظر پیش کرتی ہیں اور ایک خالص اور پاکیزہ صوفیانہ اسلامی معاشرے کی تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا ہے۔

اختلافی مسائل کا سنگ بنیاد:

ہم نے لڑائے صوفیہ قسط ۱ میں قارئین کرام کی خدمت میں ایک بے لوث عامل فضولی کی مذہبی خیانت کاری کے بارے میں چند گزارشات پیش کی تھیں اور ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کیا تھا کہ انشاء اللہ تولئے

صوفیہ کے آئندہ شماروں میں بے لوث عامل فضولی کے اُن رنگین کارناموں کی نشاندہی کی جائے گی جن کی وجہ سے صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر میں ایسا رخنہ پڑا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وسعت اختیار کرتا گیا۔ اُن کی طرف سے کی گئی رخنہ اندازی کے مہلک اثرات سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اہل صوفیہ نوربخشیہ تاحال متاثر نظر آتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ اپنے مکتبۂ فکر والوں یعنی صوفیہ نوربخشیہ مکتب فکر والوں کو ذہنی اندھیروں سے نکال کر فکری اجالوں کی طرف لے جائیں گے۔ آج کل ہم میں اختلافی مسائل والی باتوں کا چرچا عام ہے۔ ان اختلافی مسائل کو حل کر کے اہل علم حضرات کی فکری وحدت اور اجتہادی اتحاد واتفاق کی آرزو ہر کوئی اپنے دل و دماغ میں لئے بیٹھا ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی ہے۔ بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ قارئین کو یہ پتہ چل جائے کہ اختلافی مسائل کا سنگ بنیاد نصب کرنے کا سہرا کس کے سر ہے۔

خوب آگاہ رہے کہ جن مسائل کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے وہ چودہویں صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ اُس سے قبل صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ کو الوداع کہنے والے الوداع کہہ گئے مگر جن حضرات کی وابستگی برقرار رہی ان میں اختلافی مسائل کا وجود نہیں تھا۔ اگر کہیں کوئی مسئلہ اختلافی شکل اختیار کر بھی گیا تو وہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ مطلب یہ کہ اگر کہیں کسی کو کسی سے کسی مسئلہ کے بارے میں کسی بھی سبب کے تحت معمولی سا اختلاف رائے تھا تو وہ نجی نوعیت کا تھا اور اس کے اپنے گھرانے تک محدود تھا، عوامی سطح پر عملاً اُسے پذیرائی

نہیں بخشی گئی تھی۔

جناب شمس الدین الثالث آقائے سید علی کریسی اعلی اللہ مقامہ جیسے عالم اجل کی موجودگی اُس زمانے میں صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر والوں کے لئے باعث صد افتخار تھی۔ اپنی عمر عزیز کا دو تہائی عصہ انہوں نے صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر کی ترویج و ترقی کی خاطر درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں صرف کیا تھا۔ نوربخشی دنیا میں ہر جگہ انہی کا طوطی بولتا تھا۔ ان کی ہر بات عوام و خواص سب کے نزدیک المنتہٰ حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر والوں کو اُن سے عشق کی حد تک قلبی وابستگی تھی۔ اُن کا وجودِ با جود اہل صوفیہ نوربخشیہ کے لئے اپنے معنوی دفاع کے واسطے ایک ناقابلِ تسخیر علمی قلعہ تھا۔ عوام عموماً اور خواص خصوصاً اُن کے دریائے فیض سے سیراب ہوتے تھے۔ صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر کے ذمہ دار اہل وعظ و تبلیغ کو اُن کے شرف تلمذ پر فخر تھا۔ اہل صوفیہ نوربخشیہ کی امتیازی شان واضح طور پر باقی تھی۔ ہر ایک فردِ صوفی کا اقرارِ لسانی اُس کی تصدیق قلبی کی حقیقی معنوں میں ترجمانی کرتا تھا۔ صوفیہ نوربخشیہ کے جسم معنوی کے بعض حصوں کو معمولی سی بیماری لگ چکنے کے باوجود اُس کی صحت پر بحیثیت مجموعی کسی قسم کے مہلک اثرات مرتب نہیں ہوئے تھے، کیونکہ بعض اعضاء کو لاحق مرض متعدی مرض نہیں تھا بلکہ وہ آسان اور قابلِ علاج تھا۔ اس دور میں ہر ہر مسجد اور ہر ہر خانقاہ سے بڑی یکجہتی، یک رنگی، یک ہیئتی اور یک حیثیتی کے ساتھ "یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ یَا خَالِقَ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ یَا کَرِیْمُ یَا سَتَّارُ یَا عَزِیْزُ یَا جَبَّارُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ"

کی ایمان افروز صدائیں بلند ہوا کرتی تھیں۔ ہر سطح پہ ہر لحاظ سے عوام وخواص میں اتحاد واتفاق کا بے مثال مظاہرہ ہوتا تھا۔ گویا اہلِ صوفیہ نوربخشیہ کا مرکزی نقطۂ اتحاد جملہ مکاتبِ فکر والوں کے لئے باعثِ رشک تھا۔

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!

اہلِ صوفیہ نوربخشیہ کے نہایت ہر دل عزیز ذہنی ہیرو ہونے کے باوجود آقائے سید علی کرکیسی مرحوم کے عزم وارادے میں اچانک تبدیلی رونما ہوئی اور انہوں نے چپکے سے صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر کو خیرباد کہہ کر شیعہ امامیہ مکتبۂ فکر میں شمولیت کا شرف حاصل کر لیا۔ اس شمولیت کو ایک غیر معمولی مدت تک صیغۂ راز میں رکھا گیا۔ تاکہ اپنی سابقہ حیثیت کے بل بوتے پر زیادہ سے زیادہ عرصہ فائدہ اٹھایا جاسکے اور اہلِ صوفیہ نوربخشیہ کی ایک بڑی تعداد کو بھی موصوف کے ہمراہ مذکورہ شمولیت کا شرف حاصل ہو سکے۔ یہ مقصد نوربخشی کھال میں رہ کر ہی حاصل ہوسکتا تھا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مذکورہ شمولیت کے بعد ان کے وعظ وتبلیغ کا سابقہ انداز بدلا۔ سابقہ انداز میں ان کی تبلیغ کا خلاصہ یہ تھا کہ دو بنیادیں ایسی ہیں جن میں بہت بڑا فرق ہے۔

بنیاد نمبر ۱ یہ ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ

بنیاد نمبر ۲ یہ ہے۔
اول توحید۔ دوم عدل۔ سوم نبوت۔ چہارم امامت۔ پنجم معاد

خفیہ طور پر دوسری حیثیت میں آنے کے بعد ان کے اندازِ تبلیغ کا خلاصہ در خلاصہ یہ تھا کہ بنیاد نمبر ۱ اور بنیاد نمبر ۲ میں کوئی خاص فرق نہیں بلکہ بنیاد نمبر ۲ زیادہ جامع اور قابلِ ترجیح ہے۔ چنانچہ انہوں نے گاؤں گاؤں کے طوفانی تبلیغی دورے جاری رکھ کر نوربخشی عوام کے اذہان میں بنیاد نمبر ۱ کی بجائے بنیاد نمبر ۲ کو زیادہ راسخ بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ جن مقامات میں اُن کو فکری اور علمی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان مقامات میں ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا ان کے حق میں خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ جن علاقوں میں اُن کے لئے میدان خالی تھا، اُن علاقوں میں انہوں نے اپنے مقاصد کے حصول میں کامیابی حاصل کر لی۔ حصولِ مقاصد کی دو شکلیں سامنے آگئیں۔

شکل نمبر ۱۔ اہلِ صوفیہ نوربخشیہ کی ایک بڑی تعداد مذکورہ شمولیت سے سرفراز ہو گئی۔

شکل نمبر ۲۔ اہلِ صوفیہ نوربخشیہ کی ایک اور بڑی تعداد مذکورہ شمولیت کی زد سے تو باہر رہی مگر اُن کی سوچ یکسر بدل گئی۔ اُن میں پہلی حالت والی پختگی نہ رہی بلکہ پُر اسرار انداز میں ایک نئے ذہنی محاذ کا دوسرا جنم متعلق ہوا۔ یہ ذہنی صورت حال چونکہ آقائے کریمی مرحوم کی طرف سے کی جانے والی مذہبی برین واشنگ کی کاروائی کے نتیجے میں ایک مخصوص حلقۂ اثر کی شکل اختیار کر گئی تھی لہذا اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ صوفیہ نوربخشیہ ذہنی طور پر کئی فکری حلقوں والے ہو گئے۔ تاہم

اجتماعی اور اصولی طور پر مذہب صوفیہ نوربخشیہ پر سب کاربند ہے ذہناً فکری حلقوں کی تفصیل کچھ یوں پیش کی جاسکتی ہے۔

۱۔ حلقۂ ماسحین۔
۲۔ حلقۂ غاسلین۔
۳۔ حلقۂ جامعین۔
۴۔ حلقۂ مخیرین۔

توضیحات: ذہناً فکری حلقہ نمبر ۱ یعنی حلقۂ ماسحین وہ فکری حلقہ ہے جو وضو میں پاؤں کا حکم صرف وجوبِ مسح کو قرار دیتا ہے۔ پاؤں کے دھونے کی کسی بھی صورت کو وہ مبطلاتِ وضو میں شمار کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ فکری حلقہ وضو کے واجب نمبر ۵ کے طور پر پیروں کے دھونے کو باطل سمجھتا ہے۔ اگر پیر کسی وجہ سے ناپاک ہو جائے تو استنجاء کا مرحلہ طے کرنے کے بعد عام ازالۂ نجاست کے طور پر وہ پیر کو پاک کرنا ضروری تصور کرتا ہے۔ یہ فکری حلقہ مذکورہ بالا حصولِ مقاصد کی شکل نمبر ۲ کا صحیح مصداق ہے۔

ذہناً فکری حلقہ نمبر ۲ یعنی حلقۂ غاسلین وہ فکری حلقہ ہے جو وضو میں پاؤں کا حکم صرف وجوبِ غسل کو قرار دیتا ہے۔ پاؤں کے مسح کی کسی بھی صورت کو وہ مبطلاتِ وضو میں شمار کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ فکری حلقہ وضو کے واجب نمبر ۵ کے طور پر پیروں کے مسح کو باطل سمجھتا ہے۔ یہ فکری حلقہ فکری حلقہ نمبر ۱ کا شدید ترین منفی ردِّ عمل ہے۔

ذہناً فکری حلقہ نمبر ۳ یعنی حلقۂ جامعین وہ فکری حلقہ ہے جو وضو میں پاؤں کا حکم وجوبِ مسح کے ساتھ ساتھ وجوبِ غسل کو بھی قرار دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ فکری حلقہ وضو کے واجب نمبر ۵ کے طور پر پیروں کا

مسح بھی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ دھوتا بھی ہے۔ یہ فکری حلقہ دراصل فکری حلقہ نمبر ۱ اور فکری حلقہ نمبر ۲ کے مقابلے میں ذہنی محاذ آرائی کا ثمرہ ہے۔

ذہناً فکری حلقہ نمبر ۴ یعنی حلقہ مخیرین وہ فکری حلقہ ہے کہ وضو میں پاؤں کا حکم مسح اور غسل میں سے صرف ایک چیز متعین ہے اور وہ غیر معین ہے۔ آدمی کو اختیار ہے کہ وہ خواہ پیروں کو دھوئے خواہ پیروں کا مسح کرے۔

ذہنی دنگل: خوب آگاہ رہے کہ مذکورہ چاروں فکری حلقے وجودِ ذہنی سے تعلق رکھنے والی فکری اور علمی طبع آزمائی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وجودِ خارجی کے لحاظ سے کوئی گروہ بندی ان میں نہیں پائی جاتی ہے۔ ایک ہی جامع مسجد میں ایک ہی امام کے پیچھے اس مخصوص حکم کے بارے میں مختلف خیالات کے حامل صوفیہ نوربخشیہ والے نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ فکری حلقہ نمبر۱ اور فکری حلقہ نمبر۲ کے آپس میں مخالفت برائے مخالفت کی پالیسی کی بنا پر ایک قسم کا ذہنی دنگل بھی منعقد ہوتا رہا۔ اس کے لیے دونوں طرف کے ذہنی پہلوان کسی ایک اکھاڑے میں یکجا نہیں ہوتے تھے بلکہ غائبانہ طور پر ایک ذہنی دنگل کا کا سماں پیدا ہوتا رہتا تھا۔ ایک اکھاڑے میں جمع ہو کر بھی کبھی کبھار ایسا منظر پیش کیا جاتا رہا تھا۔ کسی زمانے میں علاقہ شیگر بلتستان میں یہ چاروں فکری حلقے پائے جاتے تھے۔ موجودہ دور میں فکری حلقہ نمبر۱ غالباً ہر علاقے میں پایا جاتا ہے۔ اس فکری حلقے کا تناسب بقیہ تینوں فکری حلقوں سے زیادہ ہے۔ فکری حلقہ نمبر۳ اور نمبر۴ کا وجود

عصر حاضر میں بھی علاقہ شگر میں خارج از امکان نہیں۔ فکری حلقہ نمبر ۲ کے ایک بزرگ سے میری ملاقات کراچی میں ہوئی تھی جب وہ فریضۂ حج سے واپس آگئے تھے۔ اس بندۂ ناچیز نے مجموعہ شریعت محمدیہ الفقہ الاحوط کی رُو سے پیر کے درست حکم سے ان کو باخبر کردیا تھا اور وہ ایک حد تک مطمئن ہو گئے تھے۔ اس ملاقات کا تذکرہ اس لئے کیا گیا تاکہ قارئین کو کم از کم پتہ تو چل جائے کہ اس قسم کے ذہنی وجود والے مختلف حلقوں کا پایا جانا کوئی خواب یا خیالی تصویر نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔ اس سے اس امر کی واضح نشاندہی ہوتی ہے کہ فروعی مسائل میں کچھ ایسے مسئلے بھی ہیں جن میں صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر والوں کے ہاں قدرے اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ فکری حلقہ نمبر ۱ اور فکری حلقہ نمبر ۲ اس ایک حکم کے بارے میں اس حد تک غلو کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے پر صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر کے بارے میں مشکوک وفاداری کا الزام بھی عائد کرتے ہیں۔ فکری ہم آہنگی کا فقدان ہمارے پُرخلوص علمائے کرام اور پُرعزم نوجوانان صوفیہ نوربخشیہ کے لئے ایک فکری چیلنج ہے۔ صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر والوں میں فکری بھی عدم توازن سے بیرونی مداخلت کاروں کو خفیہ طور پر نقب زنی کا موقع مل جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ فکری حلقہ نمبر ۱ کی سعی یہ ہوتی ہے کہ حتی الامکان اہل صوفیہ نوربخشیہ کو اپنی پسند کے ایک مخصوص مکتبۂ فکر کے زیادہ سے زیادہ قریب رکھا جائے۔ جہاں کہیں کوئی حکم مختلف حالتوں کے مدنظر بجا لانا ہو تو وہاں پر یہ فکری حلقہ نمبر ۱ اپنی پسندیدگی کی بنا پر ایک حالت کو یکسر نظرانداز کر دیتا ہے اور اس حالت والے حکم کے بارے میں کہہ دیتا ہے کہ یہ شاہ سید علیہ الرحمہ نے تقیہ کو اپنا کر بیان

کیا ہے لہذا وہ قابلِ عمل نہیں ہے۔ صاحبِ تنویر السراج بھی اپنا پورا زورِ قلم اسی نظریے کو لوگوں کے گوش گزار کرنے میں صرف کرتا ہے۔ جو حکم ان کے اپنے عقائد و اعمال سے میل نہ کھاتا ہو تو فوراً یہ پُر فریب بات ظاہر کردی کہ یہ مسئلہ بطورِ تقیہ ایسا بیان کیا گیا ہے۔ گویا اُن کے نزدیک مجموعہ شریعت محمدیہ الفقہ الاحوط کا ایک بڑا حصہ تقیہ کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ بعینہٖ یہی تبلیغ صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر کو الوداعی سلام کہنے والے آقائے کریسی مرحوم کی تھی۔ انہوں نے نوربخشی عوام کے ذہنوں میں اپنی شمولیت والے مکتبۂ فکر کے مخصوص نظریات بٹھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ چونکہ اس زمانے میں آوازوں کو محفوظ کرنے کا نظام نہیں تھا لہذا ان کی تقریریں اور تبلیغی سرگرمیاں کسی کے پاس تحریری شکل میں محفوظ نہیں۔ البتہ خود انہی کے پاس محفوظ ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے ان کے ہی ملفوظات کو آج کل اُن کے صاحبزادے کی طرف سے ایران سے منظرِ عام پر لانے کا آغاز کر دیا گیا ہو۔ "تنویر السراج" کے بعد ایک اور کتاب "کاشف الحق" کے نام سے منظرِ عام پر لائی جانے والی خبر ہم نے سُنی ہے مگر ابھی تک ہمارے ہاتھ میں "کاشف الحق" نامی کتاب نہیں آئی ہے۔ گمانِ غالب کا تقاضا یہی ہے کہ کتاب "کاشف الحق" بھی آقائے کریسی مرحوم کی ذہنی کاوش اور اچھوتی تحقیق ہی کا نتیجہ ہو۔ کوئی حتمی تبصرہ کتاب کے مطالعے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ مرحوم آقائے کریسی کے بعض اہم ملفوظات تیز حافظہ رکھنے والے عمر رسیدہ نوربخشی افراد کے ذہنوں میں ابھی تک جولاں پذیر ہیں۔ اُن کے ملفوظات بعض نوربخشی افراد کے دل و دماغ میں اس قدر گہرائی کیساتھ پیوست ہو گئے ہیں کہ

آج کل وہ مجموعۂ شریعت محمدیہ الفقہ الاحوط کی بہت ساری
عبارات متن کو صرف زیبِ اوراق سمجھتے ہیں اور عمل پیرا ہونے کے
لحاظ سے انہیں یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ذرا عقل ودانش سے کام لیکر
دیکھا جائے تو یہ صورت حال نہ صرف ضعف اعتقادی کا پتہ دیتی
ہے بلکہ مجموعہ شریعتِ محمدیہ کے ساتھ ایک قسم کی کھلی خیانت کا
ثبوت فراہم کرتی ہے۔

قرآنی اعلان "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ
کَآفَّةً" کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اہلِ صوفیہ نوربخشیہ اپنی مذہبی کتابوں
پر پورا پورا عمل کر کے حقیقی معنوں میں صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر کے
باعمل فرزندانِ ملت ہونے کا واضح ثبوت دُنیا والوں کے سامنے
پیش کریں۔

اُمید کی کرن: صوفیہ نوربخشیہ کی خالص ترویج وترقی کے حسین
خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی آرزو صوفیہ
نوربخشیہ مکتبۂ فکر سے حقیقی لگاؤ رکھنے والوں
کے دل ودماغ کو تازگی بخشتی چلی آتی ہے۔ اہلِ صوفیہ نوربخشیہ کے
عصر حاضر کے مذہبی پیشوا اور پیرِ طریقت جناب الحاج سید عون علی
الموسوی دامت برکاتہ کی بے لوث مرکزی قیادت کی بدولت آج کل
صوفیہ نوربخشیہ مکتبۂ فکر کی خالص ترویج وترقی کی خاطر ایک ملک گیر
معنوی تحریک چلائی گئی ہے۔ چنانچہ اس عظیم مقصد کے حصول کی
خاطر حاملِ لوائے فقرِ حقیقی جناب فقیر اخوند محمد ابراہیم صاحب قائدِ
تحریک، شیرِ بلتیۂ نوربخشیت جناب مولانا عبداللہ صاحب، فخرِ سادات
جناب سید سعادت جان صاحب، پروانۂ شمعِ تصوف جناب مولانا علی صاحب

اور رشکِ جوانان جناب غلام علی حیدری صاحب اور بہت سے دیگر تعلیمیافتہ مخلص نوجوان اس معنوی تحریک کو چلانے میں ہمہ تن مصروف نظر آتے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جبکہ اس عظیم معنوی تحریک کے پایۂ تکمیل کو پہنچنے کے نتیجے میں "ذہنا" فکری حلقے سب کے سب رفوچکر ہوجائیں گے اور اتحادِ عالمِ اسلامی کا شاہ سید علیہ الرحمہ کا عظیم مشن کامیابی سے ہمکنار ہوجائے گا۔ ورنہ آج ہماری مذہبی دنیا میں آقائے سید علی کرکیسی جیسے بزرگوں کی نرالی تبلیغ کے نتیجے میں ایسی اندھیرنگری کا دور دورہ ہے کہ نافلۂ رمضان نماز تراویح جیسے عظیم شعائرِ اسلام بھی ہماری بعض عبادت گاہوں میں ناپید ہوتے جارہے ہیں۔ اس قابلِ افسوس رخنہ اندازی کے ذمہ دار حضرات اب رحلت فرماگئے ہیں مگر ان کے ان کارناموں کی ناخوشگوار یادیں آج بھی مذہبِ صوفیہ نوربخشیہ کے مظلوم افراد کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں ؎

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

سپاس والتماس

نوائے صوفیہ تحریک احیائے تصوف کے اشاعتی مشن کی ایک اہم کڑی ہے۔ تصوف اور مذہب کے موضوعات پر مبنی یہ تبلیغی پمفلٹ مناسب وقفے سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوا کرے گا۔ جملہ اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ ہمیں اپنے رشحاتِ قلم سے نوازتے رہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اسلامی فریضہ کماحقہٗ ادا کر کے خدا اور رسول صلعم کے حضور سرخرو ہوں۔

لاہور اور اسلام آباد کے جن مخلص نوجوانوں نے ہماری مالی معاونت فرمائی ہے، اس کے لئے ہم سراپا سپاس ہیں۔ چندہ دہندگان کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ لاہور کے چندہ دہندگان:

غلام محمد صاحب تھسکوں، علی حسین صاحب کھانے، انجینئر محمد موسیٰ صاحب خپلو، غلام محمد صاحب غزبوچینگ، غلام مہدی صاحب تھولدی، غلام مہدی شاہین صاحب تھولدی، نامعلوم، انجینئر رستم علی صاحب سیلنگ، ابراہیم صاحب ہلدی، غلام حسن صاحب تھگس، علی حسن صاحب تھگس، ضامن علی صاحب ہلدی، موسیٰ صاحب تھگس، ابراہیم صاحب تھگس، علی صاحب خپلو، غلام نبی صاحب تھسکوں۔ کل رقم چندہ ۴۵۲/- روپے

۲۔ اسلام آباد کے چندہ دہندگان:

جناب محمد اقبال صاحب وائس چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل بلتستان، جناب راجہ محمد امین صاحب، جناب محمد ابراہیم صاحب نائب صدر، علی محمد صاحب کھلے، مولانا محمد علی صاحب فرانو، جناب محمد حسین صاحب خپلو۔ کل رقم ۹۵/- روپے

فقہی مسائل

ابوالعرفان

عنوانِ بالا یعنی "فقہی مسائل" کی ذیل میں قارئین کے سوالوں کے مختصر جوابات دیئے جاتے ہیں۔ ناسازئ طبع کی بنا پر اس بار نوائے صوفیہ کو منظرِ عام پر لانے قدرے تاخیر سے کام لینا پڑا۔ اس تاخیر کی وجہ سے بعض احباب نے قدرے مایوسی کا سا اظہار کیا۔ بعض حضرات فرمانے لگے کہ نوائے صوفیہ کی گاڑی ٹائر کے پنکچر ہونے کی وجہ سے کہیں بُری طرح رُک گئی ہوگی۔ اس معمولی تاخیر کی بنا پر کسی قسم کی مایوسی کا اظہار کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ تاہم اس معمولی تاخیر کے بارے میں ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

ہماری طرف سے کھُلی اجازت ہے کہ ہر قاری اپنی صوابدید کے مطابق ہر مسئلے پر تبصرہ کرے۔ لیکن ایک التماس یہ ہے کہ تبصرہ ہر لحاظ سے قابلِ توجہ ہو اور تعمیری پہلو پر مشتمل ہو۔ اگر کوئی تبصرہ نگار فقط ذاتی عداوت، بُغض و عناد اور قلبی حسد کی بنیاد پر ایسا تبصرہ کرے جو منفی ردِّ عمل کی منہ بولتی تصویر کا مصداق ٹھہرتا ہو تو ایسا تبصرہ نوائے صوفیہ میں شائع نہیں کیا جا سکے گا بلکہ اس کے بارے میں عام مراسلات وغیرہ کے ذریعے تبادلۂ خیالات کیا جا سکے گا۔

قارئین کی طرف سے ہمیں سوالات اور مبارکباد کے پیغامات پر مشتمل بہت سے خطوط موصول ہوئے ہیں چونکہ فرداً فرداً شکریے

کا خط ارسال کرنا قدرے دشوار کام ہے اور پھر البوالعرفان کی سُستی والی بات بھی حلقۂ احباب میں موضوع بحث بنی رہتی ہے۔ اس لئے نورائے صوفیہ کی وساطت سے تمام احباب کا از تہہ دل شکریہ ادا کرتے ہیں۔ دراصل شکریہ بجا لانے کا فریضہ تو صوفیہ نور بخشیہ مکتبۂ فکر انجام دیتا ہے اور ہم کو ایک ذریعہ (medium) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہماری تمام تر کوششیں روحانی اور معنوی ترقی کے مدنظر صوفیہ نور بخشیہ کی خالص ترویج کی خاطر جاری رہتی ہے۔ لہذا اس قسم کے کاموں کی انجام دہی کا صلہ ہم صرف رب العالمین سے ملنے کی توقع رکھتے ہیں اور خلق خدا سے کسی بھی شکل میں اپنی حوصلہ افزائی کی توقع رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ اگر ہمارا کام دیانتداری پر مبنی ہو گا تو اس کا لازمی نتیجہ حوصلہ افزائی کی صورت میں نکلے گا۔ اگر ہمارا کام ریاکاری پر مبنی ہو گا تو اُس کا لازمی نتیجہ حوصلہ شکنی کی صورت میں نکلنا چاہیئے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب قارئین کے سوالات اور ہماری طرف سے ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیے:۔

س: ہماری جامع مسجد صوفیہ نور بخشیہ محمود آباد کراچی میں تمام نمازی حضرات نمکین پانی سے وضو کرتے ہیں۔ کیا اس سے وضو کی صحت متاثر ہو سکتی ہے! (غلام علی پیون والے بی۔کام فائنل کراچی)

ج: مجموعہ شریعت محمدیہ الفقہ الاحوط کی رُو سے نمکین پانی سے وضو کرنا بالکل جائز ہے۔ کیونکہ نمک پاک چیزوں میں شامل ہے اگر پانی میں کسی پاک چیز کی آمیزش اُس کے اوصاف میں سے کسی وصف کو تبدیل کردے (موجودہ صورت میں ذائقہ تبدیل ہو جاتا ہے) تو

تو وضو کی صحت متاثر نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ پانی کی ماہیت یعنی اس کے بہاؤ کی تیزی میں فرق نہ آئے۔ الفقہ الاحوط میں واضح طور پر مذکور ہے کہ "وَالمُغَیِّرُ لِلمَاءِ اِن کَانَ طَاهِراً کَالصَّابُونِ وَ الأُشنَانِ وَالزَّعفرَانِ وَ غَیرِهٖ لَا یَقدَحُ فِی المُطَهِّرِیَّۃِ مَالَم یَقدَح فِی مَیعِهٖ" یعنی پانی کو متغیر کرنے والی چیز اگر پاک ہو مثلاً صابون، اشنان اور زعفران وغیرہ تو یہ صورت پانی کے پاک کرنے والا ہونے میں باعث خرابی نہیں جب تک اس کی روانی میں یہ چیز باعث خرابی نہ ہو جائے۔

س :۔ نماز جمعہ کا سلام پھیرتے ہی اوراد پڑھنے سے قبل فوراً نمازِ حاجت کی بجاآوری کرنا یا کوئی دُعا مانگنا کیسا ہے؟ (غلام علی محمود آباد کراچی)

ج : اگر کسی اہم قومی ضرورت کے مدِّ نظر یا کسی پرائیویٹ استدعا کے تحت نمازِ حاجت کی بجاآوری کی جائے یا کوئی خصوصی دعا مانگی جائے تو ایسا کرنا نماز جمعہ کے سلام پھیرنے کے بعد اوراد پڑھنے سے قبل صحیح ہے۔ ہاں اگر مذکورہ صورت حال کے بغیر کوئی امام صاحب ایسا کرنے کو یونہی اپنا معمول بنائے تو یہ خلاف اولیٰ کام ہوگا۔

س : فوت شدہ فرض نمازوں کی قضاءً بجاآوری کے بغیر کیا کوئی شخص سنن راتبہ اور نوافل کی بجاآوری کر سکتا ہے؟ (غلام محمد۔ این۔ ایل۔ آئی گلگلالہ)

ج : جس شخص کی کوئی فرض نماز فوت ہو چکی ہو تو اس کے لئے یوں چاہیئے کہ وہ حاضر وقتی نماز کی بجاآوری سے پہلے اپنی فوت شدہ نماز کی قضا بجالائے۔ پھر اگر وقت میں گنجائش موجود ہو تو وہ سنن راتبہ اور نوافل بھی پڑھ سکتا ہے۔ اگر کسی شخص سے بہت ساری نمازیں فوت ہو چکی ہوں۔ تو ایسے شخص کے لئے ضروری

ہے کہ وہ ہر حاضر وقتی فرض نماز کی بجا آوری سے پہلے وقت کی گنجائش کے مطابق اپنی فوت شدہ فرض نمازوں کی قضا بجا لائے۔ وہ سنن راتبہ اور نوافل کی بجا آوری کے حصۂ وقت کو بھی اپنی فوت شدہ، فرض نمازوں کی قضا بجا لانے میں صرف کرے۔ کیونکہ اسے زندگی کی گارنٹی حاصل نہیں ہے۔ فوت شدہ نمازوں کی بجا آوری سنن راتبہ اور نوافل پر مقدم ہے کیونکہ وہ واجب ہے۔ اس واجب کو چھوڑ کر سنن راتبہ اور نوافل پڑھنا شرعاً ممنوع تو نہیں البتہ بندے کے حق میں مفید نہیں ہے کیونکہ وہ کسی واجب کی بجا آوری سے سبکدوش ہوئے بغیر خود کو سنت گزار ثابت کر رہا ہے۔ الفقہ الاحوط میں ہے۔ وَيَنْبَغِيْ اَنْ تُبَادِرَ اِلٰى قَضَاءِ الْفَوَائِتِ وَتُقَدِّمَهَا عَلَى الْحَاضِرَةِ اِنْ لَّمْ يَضِقْ وَقْتُ الْحَاضِرَةِ یعنی چاہیئے کہ تو فوت شدہ نمازوں کی قضا بجا لانے کی طرف سبقت کرے اور حاضر وقتی نماز پر ان کو مقدم رکھے، بشرطیکہ حاضر وقتی نماز کا وقت تنگ نہ ہو۔

س۔ اگر دوسری رکعت کے قعدۂ تشہد میں آکر بھولے سے پوری کی پوری دعائے تشہد پڑھی جائے تو اسکا کیا حکم ہے؟ (احمد علی تھگس۔ لاہور)

ج: بھولے سے ایسا کرنے کی کیا بات ہے۔ اگر آپ جانے بوجھے طور پر ایسا کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ کی نماز بالکل درست ہے۔

س: مذہب صوفیہ نوربخشیہ کے مخصوص اعمال اور وظائف کو نظر انداز کر کے غیر صوفیہ نوربخشیہ عقائد کے مطابق مختلف اعمال کی بجا آوری کیسی ہے۔ جبکہ اس سے ہمارے اپنے عقائد و اعمال بری طرح متاثر ہوتے ہیں؟ (حوالدار محمد اسمٰعیل سرمیکی۔ این۔ ایل آئی سنٹر لبرچی گلگت)

ج: ایسی صورت حال کی وجہ سے ہی صوفیہ نوربخشیہ کا وجود معنوی عدم سے ہمکنار ہوا ہے۔ آپ خوب غور کریں۔ جواب آپ کے ذہن میں خود بخود آجائے گا۔

نوٹ: بعض احباب کے سوالات ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ نوائے صوفیہ قسط نمبر ۳ میں انشاء اللہ ان کے جوابات دیئے جائیں گے۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابو العرفان

اسلام آباد ۲۰ راپریل ۱۹۸۵ء